تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ ۱۵

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۶۵ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

Phone No. 22918
TAMEER-E-HAYAT
Regd. No. L 1081
DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلوماتِ عامّہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔ حصہ سوم ۔

قصص النبیین للاطفال (۵ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور کامیاب ترین ذریعہ بنگئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۰/۷۵، حصہ دوم ۷۵/۵، حصہ سوم ۷۵/۱

مختارات (۲ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنیکے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۔ حصہ دوم ۔

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون و ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، مضامین کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۔

ESTD. 1903
قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Cover Printed at Nadwatul Ulamas Press LUCKNOW

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ
شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

جلد ۲ — نمبر ۶

سالانہ -/۷ روپے — فی پرچہ ۳۰ پیسے

۲۵ جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید — انعام کا دن

سعید الاعظمی

"جو مزدور اپنے کام کو پورا کر دے اس کو کیا معاوضہ ملنا چاہیئے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو عید کے دن روزہ دار بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور فرشتے ان کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"اس کا معاوضہ یہ ہے کہ اس کو پوری مزدوری دی جائے۔"

روزہ داروں کے لئے عید کا انعام اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ اللہ کے دربار میں اس طرح یاد کئے جائیں اور خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی زبان میں انھوں نے اپنی ذمہ داری کو پوری کیا اور اس کے عوض میں وہ اجر و انعام کے مستحق ہوئے اگر غور کیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں، اور نہ اس سے بلند کوئی درجہ ہو سکتا ہے جہاں پہونچکر اللہ کے انعام و اکرام کا استحقاق اس طرح حاصل ہو۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب روزہ کا فریضہ اسی احساس کے ساتھ ادا ہو جس احساس کو بار بار یاد دلایا گیا ہے۔ اور اس میں وہ روح پوری طرح جلوہ گر ہو جس کے بغیر روزہ محض بھوک پیاس یا فاقہ کی ایک شکل ہے، روزہ دراصل ایک ریاضت ہے جس کے کچھ مخصوص حدود و شرائط ہیں۔ اگر ان حدود و شرائط کا لحاظ کئے بغیر کوئی بھوکا پیاسا رہ جائے تو وہ خواہ مخواہ اپنے نفس کو مشقت میں مبتلا کرتا ہے اور بلا وجہ بھوک پیاس کی سختی جھیلتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ نہ صرف یہ کہ روزے کے فوائد سے محروم رہتا ہے بلکہ عید کے دن جو انعام اس کو ملنا چاہیئے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اس سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔

ایک مخلص روزہ دار کے لئے اس کی محنت و مشقت اور سب سے بڑھ کر اس کے صبر و تقویٰ کا جو معاوضہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کی تفصیل سن کر ایک مومن دل فرحت و مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے عید کا دن ایک زبردست خوشی اور کامیابی کا دن ہے، اس معاوضہ اور انعام کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ کی زبان سے سنئے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں۔

"میرے فرشتو! میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان مخلص روزہ داروں کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں ان کو اپنی رضا و مغفرت بخش دی۔"

اور عید گاہ میں دوگانہ عید پڑھنے والے بندوں کو یوں خطاب ہوتا ہے۔

"میرے بندو! جو کچھ تم مانگنا چاہو مانگو، میری عزت و بزرگی کی قسم آج تم اس موقع پر جو کچھ مانگو گے وہ میں تم کو منظور کروں گا، اور دنیا کے متعلق جو تم دعا کرو گے اس میں تمہاری خیر خواہی کے ساتھ بہتر فیصلہ کروں گا، میری قدرت و سطوت کی قسم جب تک تم میرے متعلق بہتر خیال رکھو گے میں تمہارے گناہوں کو چھپاتا رہوں گا، اور میری عظمت و جلال کی قسم میں تم کو مجرموں کے سامنے رسوا نہیں کروں گا...... اب تم اپنے اپنے گھروں کو اس حال میں واپس جاؤ کہ تمہارے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ تم نے رمضان کے اس مبارک مہینے میں مجھ کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے میں اب تم سے راضی ہوں۔"

لیکن رمضان کے اس مبارک مہینے میں کتنے اللہ کے بندوں نے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی، اور ان کی تعداد کتنی ہے جنھوں نے اپنے آپ کو عید کے اس عظیم انعام و اکرام کا مستحق بنایا۔

عید کے خطبوں میں عام طور سے امام عید کے اس فقرہ پر بھی کبھی آپ نے غور کیا کہ

لیس العید لمن لبس الجدید	عید نئے کپڑے زیب تن کرنے
و اکل الثرید و	اور بہترین کھانے کا نام نہیں بلکہ
إنما العید لمن صلی	عید تو روزے کی عبادت پوری
و صام و خاف یوم الوعید	کرنے اور یوم آخرت سے ڈرنے

کا نام ہے۔

کتنے لوگ ہیں جو اس حقیقت پر غور کرتے ہیں اور لباس و پوشاک کے اہتمام کے ساتھ وہ روزوں کا اہتمام تراویح اور نوافل و تلاوت کی فکر بھی کرتے ہیں۔ اکثر دیکھتے ہیں آپ ایسے کتنے ہی لوگ جن کو روزے نماز سے کوئی دلچسپی اور اس کی ادائیگی کی فکر نہیں ہوتی۔ عید کے دن انواع و اقسام کے کھانوں اور قیمتی کپڑوں کی خریداری کی فکر میں اس طرح سرگرداں رہتے ہیں جیسے اس کو دین کا ایک بہت عظیم رکن سمجھتے ہوں حالانکہ اس کے بغیر اسلام کے دائرہ میں باقی نہیں رہ سکتے۔ حالانکہ فکر تو اس بات کی کرنی چاہیئے تھی کہ کیونکر انھوں نے عید کے دن حاصل

خطبات نبوی

لیلۃ القدر — خطبات نبوی کی روشنی میں

حبیب الرحمن ندوی

رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں لیلۃ القدر کو جو فضیلت حاصل ہے اس کے لئے صرف یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ قرآن کریم میں اس رات کا متعدد بار ذکر آیا ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہی وہ مقدس رات ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا، یہی نہیں اس رات میں تجلیات الٰہی کا نزول خاص بھی ہوتا ہے۔ سورۂ قدر کے الفاظ ہیں،

انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر ○ وما ادراک ما لیلۃ القدر ○ لیلۃ القدر خیر من الف شہر ○ تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امر ○ سلام ھی حتی مطلع الفجر

قرآن کو ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا، تمھیں کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ہر کام کے سرانجام دینے کو خدا کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرئیل) اترتے ہیں اور صبح تک صالح بندوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ایہا الناس انہا کانت أبینت لی لیلۃ القدر وانی خرجت لاخبرکم بہا فجاء رجلان یحتقان معہما الشیطان فنسیتہا فالتمسوہا فی العشر الاواخر من رمضان۔ التمسوہا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ

لوگو لیلۃ القدر مجھے بتائی گئی کہ وہ کونسی رات ہے، میں نے چاہا کہ تم کو بھی بتادوں مگر اسی دوران دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے جن کے درمیان شیطان تھا جس کی وجہ سے میری طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور میں اسے بھول گیا۔ بہرکیف تم اسے رمضان کے آخری عشرے میں نویں، ساتویں اور پانچویں تاریخوں میں تلاش کرو۔

ایک جگہ خطبے کے یہ الفاظ مذکور ہیں،

انی کنت اجاور ھذہ [illegible] ثم بدا لی ان [illegible] ھذہ العشر الاواخر فمن کان اعتکف معی فلیلبث فی معتکفہ وقد رأیت ھذہ اللیلۃ فانسیتہا فالتمسوہا فی العشر الاواخر فی کل وتر وقد رأیتنی اسجد فی ماء وطین (مسلم)

میں نے درمیانی عشرے کا اعتکاف کیا لیکن حکم ہوا کہ آخری عشرے کا اعتکاف کروں، پس جو شخص نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ میرے ساتھ پھر اعتکاف کرے۔ لیلۃ القدر کو میں نے (خواب میں) دیکھا مگر میں اسے بھول گیا۔ تم اسے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو میں نے دیکھا تھا گویا میں لیلۃ القدر میں مٹی اور پانی میں سجدہ کر رہا ہوں۔

بخاری شریف میں مزید تفصیل بھی ہے کہ مسجد نبوی کھجور کی شاخوں سے پاٹی گئی تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ مگر اسی درمیان بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور برسنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ یہاں تک کہ پانی اور مٹی کا نشان آپ کی ناک اور پیشانی پر دیکھا گیا۔ تفصیل کا موقع نہیں تاہم اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ شب قدر کی تعین میں متعدد اقوال مذکور ہیں لیکن صحیح ترین قول یہی ہے کہ یہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے، عدم تعین کی بڑی مصلحت یہ ہے کہ صادق بندے مختلف راتوں میں ذکر و عبادت کا اہتمام کریں کہ یہ تمام راتیں رحمت الٰہی کے نزول کے لئے خاص ہیں اور ان راتوں میں شب بیداری کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

افسوس آج زیادہ تر لوگ شب قدر کی کوئی اہمیت محسوس نہیں کرتے اور نہ یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ رات ہمارے لئے کیا پیام لاتی ہے۔ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو اکثر مساجد میں ختم قرآن کی تقریب کا کچھ ہنگامہ ہوتا ہے۔ مگر یہ اہتمام کہ اس مقدس رات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے خصوصاً عہد نبوی میں اس رات کا کیا اہتمام کیا گیا، کہیں نظر نہیں آتا، اس لئے ضرورت ہے کہ جن کے دلوں میں درد اور تڑپ ہے وہ اٹھیں، اپنے اعزہ و اقارب کو بھی شب بیداری اور عبادت گذاری کی ترغیب دیں، لیلۃ القدر مقبولیت کی رات ہے اس میں اذن عام ہوتا ہے کہ گنہگار مغفرت طلب کریں، لوگ اپنی ضرورتیں پیش کریں کوئی مانگنے والا ایسا نہیں جو آج کی رات محروم کیا جائے۔

لیلۃ القدر کے اور بھی بے شمار فضائل مذکور ہیں لیکن یہاں صرف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ پیش کرنا مقصود تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے اور ہر مسلمان کو اس کی تلاش و جستجو کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شب قدر درحقیقت ایک ایسی دولت سرمدی ہے کہ اگر مسلمان اس کی صحیح قدر و قیمت کو جان لیں تو ناممکن ہے کہ اس سنہرے موقع کو ضائع کریں، میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں دینی امور میں کوتاہیوں کا بنیادی سبب روایات مذہبی پر یقین محکم اور ایمان کامل کا فقدان ہے، کیونکہ روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ معمولی سے معمولی منافع کی توقع پر ایک انسان دن کا آرام اور راتوں کی نیند ترک کر دیتا ہے، مشکلات سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ دشواریوں پر قابو پانے کی جد و جہد کرتا ہے اگر کسی بڑے اور اہم نفع کی توقع ہو جائے تو اس کے حصول کے لئے دیوانہ وار کوشش کرتا ہے، تگ و دو کرتا ہے، لیکن اسلام اتنے بڑے انعام کا اعلان کرتا ہے اور مسلمان قوم جو قرآن پر ایمان رکھنے کی دعویدار ہے اس کی محفل میں کہیں بھی کسی سرگرمی کا وجود نہیں ملتا، اس کی بے تابی اور تڑپ کا کوئی ظہور نہیں ہوتا کیوں؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے کیا اس کا سبب اس کے یقین کی کمزوری اور اس کے ایمان کی عدم پختگی نہیں یقین مانئے یہی کمزوری ہے جس کا خمیازہ آج مسلمان قوم بھگت رہی ہے، کاش کوئی انھیں بتاتا ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اطلاع

ناظرین کرام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ۱۰ر فروری ۱۹۶۵ء کا تعمیر حیات شائع نہیں ہوگا۔ انتظار نہ فرمائیں۔ فروری کا مشترکہ نمبر ۲۵ر فروری کو شائع ہوگا۔ ایجنٹ حضرات کاپیاں محفوظ کرلیں۔ مشتہرین حضرات ۱۰ر فروری تک اشتہارات دفتر بھیج دیں۔

(منیجر)

وداعِ رمضان

سید محمد ثانی حسنی

رحمتِ حق آئی قسمت ور چلے — سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے
نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب — زاہدانِ باصفا بڑھ کر چلے
وا ہوئے در بزم رحمت کے تمام — اہلِ درد و سوز کھنچ کھنچ کر چلے
گلشنِ رحمت کی ہر دم سیر کی — اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے
رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب — جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
"شمع کی مانند اس کی بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے"
قدر نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے — بوجھ عصیاں کا لئے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی والے غم — "کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے"
نور سمٹا چاندنی پھیکی پڑی — سر چھپانے کو مہ و اختر چلے
ماہ رحمت کے شب و روز و سحر — ہر طرف تم نور برسا کر چلے
تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی — تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہ رمضاں الفراق — زخمِ دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لئے ہر سال تو — تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا ادھر — بہرِ الطاف اے کرم گستر چلے
ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب — اور دورِ بادہ کو ثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی — جانے کب در بند ساقی کر چلے

"ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے"

عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعیؒ

دعوت، جہاد، عمل

(۵) — محمد اجتبا حسینی ندوی

صحافت اور تصنیف و تالیف

شام میں تحریک آزادی کے دور سے ہی روزنامے اخبارات خاصی تعداد میں نکلنے شروع ہوگئے تھے، لیکن ان میں سے اکثر کسی پارٹی یا گروہ یا ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر خبریں اور تبصرے شائع کرتے تھے اور اس میں جانب داری کارفرما ہوتی تھی، اسی کی وجہ سے آپس میں بڑی کشمکش رہتی تھی۔

ڈاکٹر سباعی صاحب نے اپنی دوسری اصلاحی سرگرمیوں کے ساتھ پاکیزہ اور ستھری صحافت کے لئے بھی بڑی کوشش کی۔ مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل ہوا چنانچہ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے خود ایک سیاسی روزنامہ "المنار" کے نام سے جاری کیا جس کے وہ خود مدیر تھے اور ۱۹۵۰ء تک رہے، اس کے بعد اپنی مختلف مشغولیتوں اور متنوع کاموں کے باعث ادارت سے الگ ہوگئے لیکن بڑی حد تک عرصہ تک ان کی نگرانی باقی رہی۔

سباعی صاحب کے اس میں جو اداریے اور مضامین شائع ہوئے اس سے ان کی سیاسی بصیرت و فہم نمایاں ہوئی، سیاسی مسائل کا بڑا وہ درس اور گہرا تجزیہ کرتے تھے اور بڑی جرأت و بے باکی سے حکومت اور سیاسی لیڈروں پر تنقید کرتے تھے، جس میں کسی قسم کی جانب داری اور چاپلوسی و مداہنت نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح سباعی صاحب نے پاکیزہ اور غیر جانبدارانہ صحافت کا عملی نمونہ پیش کیا جو ہمیشہ کے لئے سنگ میل اور نشان راہ کا کام دیتا رہے گا۔

اس کے بعد جماعت اخوان کی طرف سے "الشہاب" جاری ہوا جسکو اپنی رہنمائی اور مشوروں سے نوازتے رہے۔

۱۹۵۵ء میں جب شام کی بعثی حکومت[1] نے ڈاکٹر سعید رمضان کو شام چھوڑنے پر مجبور کیا تو کچھ عرصے کے بعد رسالہ "المسلمون" کو بھی بند کرنے کا حکم صادر کیا، لیکن چونکہ اس کا ڈیکلریشن سباعی صاحب کے نام تھا اس لئے انھوں نے "حضارۃ الاسلام" کے نام سے دوسرا رسالہ نکالنے کا ارادہ کیا، حکومت نے اس سلسلہ میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں اور مختلف طریقوں سے سباعی صاحب کو مجبور کیا کہ یہ رسالہ نہ نکالیں، بلکہ ڈرایا دھمکایا بھی، بعض لوگوں نے یہ بھی دھمکی دی کہ سعید رمضان جیسا حشر ہوگا، جواب دیا گیا کہ دین کی راہ میں سب کچھ منظور ہے اور خدا کے نام پر اگست ۱۹۶۰ء میں "حضارۃ الاسلام" کا پہلا شمارہ شائع ہوا اور خدا کے فضل سے اب تک جاری ہے، اور اپنے ٹھوس علمی و فکری خیالات اور متوازن علمی و دینی افکار کی ترجمانی کی وجہ سے عالم اسلام کے دینی و اصلاحی حلقوں میں مقبول و پسندیدہ ہے۔

سباعی صاحب ایک پرجوش داعی و مصلح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مصنف اور مضمون نگار اور ادیب و شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کے اصلاحی کاموں نے شعر و ادب کے لئے موقع بہت کم دیا۔ اور ان کا شعر و ادب بھی دین و اسلام کی خدمت کے لئے تھا، وہ کیف و سرور اور جذب پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں لکھتے تھے، بلکہ ان کے سارے فکر و عمل کا مقصد انسان کی زندگی میں ایک دینی و عملی انقلاب برپا کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں بڑی برکت دی تھی اس کو انھوں نے بہت کار آمد بنایا اور مختلف مضامین پر مفصل کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد ۲۵۔۳۰ کے قریب ہے ان میں بعض کئی کئی سو صفحات پر مشتمل ہیں۔ گذشتہ قسطوں میں ان میں چند کتابوں کا تذکرہ آچکا ہے۔

سباعی صاحب کی تحریروں میں بڑی سحر انگیزی، تاثیر اور ادبی لطافت پائی جاتی ہے، پیچیدہ اور سخت و دشوار موضوع کو آسان اور پرلطف بنانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا یہ چیز تحریر و تقریر دونوں میں یکساں پائی جاتی تھی۔

اخلاق و تزکیۂ نفس

سیکڑوں سال سے سباعی صاحب کا گھرانہ علم و دین کا گہوارہ تھا ان کے والد حسنی السباعی صاحب مرحوم ایک عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اسی دور کے عارفین سے گہرا ربط رکھتے تھے اور ہر وقت انھیں کی معیت اور بافیض مجلسوں میں رہتے اور دنیا و نفس کی گندگیوں سے کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتے، ڈاکٹر سباعی صاحب کی بھی ان کے والد نے اسی طرح کی تربیت کی، اس لئے بچپن سے ان کا رجحان اخلاق و سلوک کی طرف تھا، اور نیک و صالح بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، اور فیض یاب ہوتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ سباعی صاحب کو اسلام پر بڑا گہرا اور پختہ عقیدہ و یقین حاصل تھا، اسی لئے ہر وقت اور ہمہ تن جاں بازی و سرفروشی کے لئے تیار رہتے اور زندگی کے کسی لمحہ میں اس سے غافل نہیں ہوئے بڑے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار کے حامل تھے، ہر شخص سے بڑی محبت و تعلق کا برتاؤ کرتے تھے اور ہمیشہ مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ دوست دشمن سبھی ان کے پاس اخلاق کے گرویدہ اور مداح تھے، کسی طالب علم یا اخوانی کا چہرہ اترا ہوا، افسردہ و غمگین دیکھتے تو کوئی پرلطف قصہ یا واقعہ سنا کر اسے خوش کرتے اور پریشان حال و محتاج کی خبر گیری کرتے تھے۔ کلیۃ الشریعۃ کے کئی ایسے طالب علم تھے جن کا خرچ سباعی صاحب برداشت کرتے تھے یا ان کا کوئی بہتر و معقول انتظام کر دیتے تھے۔

روحانیت و تقویٰ کی طرف قلبی میلان تھا اور اس سلسلہ میں کئی مضامین لکھے، ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"اسلام ایک قانونی و اخلاقی نظام ہے جب دور اول کے مسلمان نظام شریعت کو نافذ کرتے تھے اور اسلامی اخلاق کے حامل تھے اس وقت ان کی سوسائٹی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور منظم سوسائٹی تھی اور وہ لوگ بہت بلند اخلاق و کردار سے آراستہ اور اس کے حامل تھے، اسلام کے اہم اخلاق و کردار یہ ہے "محبت اور درگذر کرنا، تعلق مع اللہ اور حضوری قلب محاسبۂ نفس، دنیا سے استغنا و بے نیازی، دنیاوی منافع اور اس کی خوبیوں کو برتتے اور استفادہ کرتے ہوئے"[1]

ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"کوئی بھی مسلمان جو دین کی فہم رکھتا ہے اس سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ تزکیۂ نفس اور روح کی پاکیزگی، اللہ عزوجل کا مراقبہ اور اس سے ظاہر و باطن میں ڈرنا، اور نفس کے فریب اور اس کی خواہشات سے چھٹکارا اور آزادی حاصل کرنا، ہر انسان کے لئے خیر و بہبودی کی کنجی اور اسکا ذریعہ ہے"[2]

لہ ۱۹۵۵ء میں "حزب البعث العربی" کا حکومت شام میں رسوخ ہوگیا تھا اور تقریباً اسی کی حکومت قائم تھی۔

لہ حضارۃ الاسلام شمارہ ۵، ۱۹۶۲ء

ٹہ " " " ۵، ۱۹۶۱ء

البتہ اس تصوف پر تنقید کی جس میں عجمیت اثر انداز ہوگئی ہے اور جو تزکیۂ نفس اور تعلق مع اللہ کے بجائے وحدۃ الوجود اور اس طرح کے دوسرے نظریات و خیالات کا حامل ہے جو کسب معاش اور دین فروشی کا سبب ہے۔[1]

ڈاکٹر سباعی صاحب شام کے ایک عارف باللہ، ولی و مصلح شیخ احمد الحارون الحلبیؒ[2] سے بیعت تھے اور ان کی روحانیت، صفائے قلب اور زہد و تقویٰ سے بہت متاثر تھے اور ان سے اس سلسلہ میں بہت فیض حاصل کیا، اکثر ان مجلسوں میں جاتے تھے اور خاصا وقت گذارتے تھے، بسا اوقات اپنے دعوتی کام اور علمی و اجتماعی اصلاحات کے سلسلہ میں شیخ سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ شیخ ان کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے تھے جو سباعی صاحب کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے تھے۔

ڈاکٹر سباعی صاحب نے بیان کیا کہ ایک زمانے میں اپنے کاموں اور سیاسی پیچیدگیوں اور الجھنوں میں ایسا منہمک ہوا کہ بہت سے معمولات میں کوتاہی ہونے لگی، "شیخ" کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:

"مجھے بڑا دکھ اور رنج ہے کہ ان دنوں مجھے وقت نہیں ملتا جس میں کچھ نفل اور تہجد ادا کر سکوں یا خلوت نصیب ہو جائے جس میں اللہ کی یاد کیا کروں، یا غور و فکر سے قرآن شریف کی تلاوت کر سکوں، میں اصلاحی و سیاسی کام اور عبادت و طاعت الٰہی دونوں کیسے کروں، اس سلسلے میں میرے لئے کوئی راہ نکال دیں۔

شیخ نے بلا تامل ارشاد فرمایا: تو کیا اس کام کا ثواب جو تم کر رہے ہو عبادت، تہجد اور خلوت کے ثواب سے کم ہے؟ بیشک جو تم کر رہے ہو وہ عبادت ہے اور بہت سی عبادتوں کے ثواب سے زیادہ اس میں ثواب و اجر ہے، اپنے اس کام پر افسوس و شرمندگی نہ محسوس کرو۔"[3]

جماعت اخوان اور اس کی قیادت

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی جماعت اخوان سے اس وقت وابستہ ہوئے جب مصر میں پڑھتے تھے اور امام حسن البناؒ سے براہ راست اس کے اصول و مبادی سیکھے اور امام نے گویا انھیں کو شام میں اپنا نائب مقرر کیا تھا سباعی صاحب نے اس نیابت کا حق ادا کر دیا، زندگی کا ہر لمحہ اس دعوت پر قربان کر دیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ شام کے مسلمانوں میں اب بھی دین سے وابستگی اور دینی غیرت اور خود عمل متحرک و بیدار ہے۔

امام حسن البناؒ کی شہادت کے بعد ان کی جانشینی کے لئے جو نام پیش کئے گئے تھے ان میں ایک سباعی صاحب کا بھی تھا۔ اور وہ اخوان کے مرکزی مجلس عاملہ کے صدر آخر عمر تک رہے۔ شامی اخوان کے "مراقب عام" تھے اور بڑی دانشمندی، بصیرت اور خوبی کے ساتھ اس کی قیادت کی، جماعت کا ہر فرد بلکہ چھوٹے بچے تک ان سے محبت و عقیدت رکھتے تھے اور "یا اخی" کہہ کر پکارتے تھے۔

۱۹۵۰۔۵۵ء شامی اخوان کے لئے بڑی آزمائش و امتحان کے سال تھے۔ ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ اخوانی زعماء گرفتار یا شہید کر دیئے جائیں گے۔ اخوانی مرکز کو بعث پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کے اراکین نے ڈائنامیٹ سے تباہ کرنے کے لئے تین مرتبہ کوشش کی لیکن ناکام رہے سباعی صاحب نے اس خطرناک اور نازک دور میں اخوان کی بڑی دانشمندی سے قیادت کی اور کامیابی کے ساتھ کشتی کو پار لگا دیا۔ اسی زمانے میں مرکزی مجلس عاملہ کا سالانہ جلسہ لبنان کے ایک ہوٹل "فندق الحبار" جس میں ڈاکٹر سعید رمضان نے شام سے نکل کر پناہ لی تھی، منعقد ہوا۔ سباعی صاحب بنفس نفیس وہاں جا کر شرکت کی لیکن اس بے پناہ کام اور محنت نے ان کی صحت کو خطرہ میں ڈال دیا۔ لبنان ہی میں کچھ تکلیف کا احساس ہوا، دمشق روانہ ہوئے، گھر پہونچتے ہی فالج کا حملہ ہوا۔

بیماری اور وفات

فالج کا یہ حملہ بڑا سخت تھا، بدن کا بایاں حصہ بالکل شل ہوگیا تھا، خطرہ ہوا کہ شاید اب جانبر نہ ہو سکیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی ان سے مزید سات سال کام لینے تھے۔ علاج ہوا کچھ افاقہ ہوا، لیکن وہ پہلی والی بات کہاں، اب ڈاکٹر سباعی بجائے ایک کے، نصف آدمی تھے، لیکن انھوں نے اس سات سالہ زندگی میں کام ایک آدمی کا نہیں بلکہ کئی آدمیوں کا کیا، اسی وقت تو انھیں قدرے سکون نصیب ہوا کہ وہ اپنی تصانیف مرتب کر کے شائع کر سکیں اور اپنے افکار و خیالات زیادہ منظم طریقے پر پیش کریں۔

اسی دوران مرض میں ایک مرتبہ حاضر ہونا ہوا، اپنے کتب خانہ میں چارپائی پر پڑے تھے، دونوں ٹانگیں بے حس و بے جان تھیں، سینہ پر کچھ کاغذات رکھے تھے اور سامنے ٹیلیفون تھا مجھے یہ منظر دیکھ کر کچھ تعجب سا ہوا، پوچھا آپ کا مزاج کیسا ہے؟ میں نے سنا ہے ڈاکٹروں نے کام کرنے سے منع کر دیا ہے؟

فرمایا: اچھا! میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ میری صحت کے لئے سخت مضر ہے، لیکن کیا کروں، بیکار رہا نہیں جاتا! اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، ریسیور اٹھانے کی کوشش کی لیکن نہیں اٹھا سکے، میں نے اٹھا کر دیا، ٹیلیفون "فقہ اسلامی کے انسائیکلوپیڈیا" کے دفتر سے آیا تھا، اس سلسلہ میں ان سے کچھ مشورہ طلب کیا گیا تھا!

سباعی صاحب اس شدید مرض میں اور درد و بے چینی کے عالم میں بھی اپنے معمولات پورے کرتے تھے اخوان کے مرکز جاتے، شریعت اور شعبۂ قانون میں لکچر دیتے، "حضارۃ الاسلام" کے لئے مضامین مرتب کرتے اور جلسوں میں تقریریں بھی کرتے تھے۔ اسی مرض کے دوران جبکہ اسپتال میں تھے۔ اور ڈاکٹروں کی کام کرنے کی شدید ممانعت تھی، چپکے چپکے اپنے زندگی کے تجربات مرتب کرتے رہے اور وہ "ہکذا علمتنی الحیاۃ" کے نام سے شائع ہوچکے۔

جب درد و الم اور سوزش زیادہ ہوتی تو خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرتے اور بے اختیار زبان پر مناجات اشعار کی شکل میں رواں ہوتی، اس کے پڑھنے سے ان کے یقین و ایمان اور خدا تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و شیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ آخری زمانے میں خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت و شیفتگی بہت بڑھ گئی تھی اور فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہاں ہی جا کر مقیم ہو جائیں گے۔ چنانچہ پچھلے سال حج کے لئے گئے اور کئی مہینہ مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے قریب قیام کیا۔ اسی زمانے میں مکہ مکرمہ کے کلیۃ الشریعۃ نے انھیں اپنے یہاں استاذ منتخب کیا تو دمشق روانہ ہوئے تاکہ وہاں سے پوری تیاری کر کے حجاز منتقل ہو جائیں۔ دمشق پہونچکر رخت سفر باندھ لیا لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ رخت سفر آخرت کا ہے اور خدائے تعالیٰ سے جا ملنے کا ہے، ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ کو ظہر کے وقت اچانک مرض کی شدت بڑھی اور روح پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ذرا سی دیر میں سب کو اطلاع ہوگئی اور ان کے سارے اخوان، احباب اور معتقدین ہزاروں کی تعداد میں پہونچ گئے

(بقیہ ص ...)

لہ افسوس اس مضمون کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ ہم سباعی صاحب کی زندگی کے ہر پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈال سکیں۔

"سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے"

ٹہ شیخ حارون الحلبیؒ کا انتقال جب [illegible] میں ہوا آپ [illegible] میں دمشق کے ایک غریب گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں مکانات بنانے کے لئے پتھر تراشتے تھے اور یہی ذریعہ معاش تھا۔ [illegible] پیدا ہوگئے۔ شام ان کی برکتوں سے بہت مالامال ہوا۔

ٹہ حضارۃ الاسلام شمارہ ۵، ۱۹۶۲ء

ھندوستان پر

نادر شاہ کے حملہ

کی دلچسپ داستان

(۳) — حافظ محمد حسان علوی بی اے آنرز ایم آ ے

مغلوں اور ایرانیوں کے درمیان سفارتی تعلقات ختم ہونے کے اسباب

دلی کے ناکارہ دربار کی غیر سیاسی اور غیر اخلاق روش ہی نے ایران کے ساتھ تعلقات کو بگاڑا تھا۔ اور غیر دوستانہ باتوں سے ان میں خرابیاں پیدا کردی تھیں۔ مغل سلطنت اور ایران کی صفوی سلطنت کے درمیان صدیوں سے سفیروں اور تحفوں کے تبادلے ہوا کرتے تھے اور سیاسی امور میں ہم آہنگی بڑی حد تک موجود تھی۔ عباس دوم یہ طریقہ اس وقت بھی اختیار کئے رہا جبکہ اس نے قندھار شاہ جہاں سے لے لیا تھا اور مغلوں کے خلاف چار مرتبہ جنگ بھی کرچکا تھا۔ لیکن ان تعلقات اور تبادلات میں کبھی بھی کمی نہیں آئی تھی، جب کوئی نیا بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا تو ان موقعوں پر مبارکبادی کے پیغامات ایک دربار سے دوسرے دربار تک جایا کرتے تھے۔ لیکن محمد شاہ نے اس دستور کو فراموش کرکے تہماسپ دوم کو اس وقت مبارکبادی کا کوئی پیغام نہیں روانہ کیا، جس وقت اس نے افغانوں کو وہاں سے نکالکر اپنے آباد اجداد کا تخت دوبارہ حاصل کیا، بلکہ دلی حکومت نے اس دامان کی اچھائیوں کو فراموش کرکے میرواعظ اور اس کے لڑکے حسین کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھائے تھے (جو قندھار کا غاصب تھا) اور بعد میں اس نے صوبۂ ملتان پر چڑھائی بھی کی تھی اور شاہی افواج کو نقصان پہونچاکر کچھ علاقے اپنے قبضہ میں کرلئے تھے۔

ایران سے افغانوں کے نکالے جانے کے بعد نادر شاہ نے علی مردان خاں شاملو کو اپنا سفیر بناکر ہندوستان روانہ کیا کہ وہ دلی دربار کو مطلع کردے کہ۔ قندھار کے افغانوں کے خلاف ایک مہم بہت جلد شروع کی جانے والی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ شہنشاہ ہندوستان سے درخواست بھی کی گئی تھی کہ "وہ اپنے کابل کے صوبیدار کو حکم دے دیں کہ وہ افغانوں کو اپنے علاقوں میں پناہ نہ لینے دے"۔ محمد شاہ نے جواب دیا کہ "ہم نے اس معاملہ میں اپنے احکامات جاری کردیے ہیں، اور فوج کو دوبارہ منظم کرنے کا حکم بھی صادر کردیا ہے، تاکہ یہ معاملہ بہت جلد عمل پذیر ہوجائے۔"

کچھ عرصہ کے بعد نادر شاہ نے پھر ایسا ہی ایک پیغام دے کر محمد علی خاں کو روانہ کیا، اور اس میں بھی اسی قسم کی درخواست کی گئی تھی۔ دلی دربار نے پھر ایسا ہی جواب دیا جب ۱۷۳۸ء میں ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کرلیا اور مقامی افغانوں نے مغل افغانستان کی طرف بھاگ کر جانا شروع کیا تو نادر شاہ نے ایک فوج اونگ فرنا روانہ کی (جو قلات کے ضلع میں ہے) جو ایران اور مغل سلطنت کے درمیان آخری سرحدی چوکی تھی۔ تاکہ وہ غزالیوں کی پسپائی روک دے، اس فوج نے قلات کے آخری حصہ تک پیچھا کرکے ان کا خوب صفایا کیا، تقریباً ایک ہزار غزالی قتل کئے گئے اور بہت سے قیدی بنالئے گئے، اور بہت سا سامان ان کے ہاتھ لگا، باغی قبیلہ کے لوگ مغل علاقوں میں گھس گئے اور کچھ کابل کی طرف اور کچھ غزنی کی طرف بھاگ گئے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کو روکنے کے لئے کوئی مغل فوج یا مغل افسران سرحد پر موجود نہ تھے۔ ایرانی افسران کو چونکہ سرحد پار کرنے کے کوئی احکامات نہیں تھے، اس لئے یہ لوگ وہیں پر رک گئے اور سارے معاملات کی رپورٹ نادر شاہ کو روانہ کردی۔

نادر شاہ نے ۳۰ اپریل ۱۷۳۸ء میں ایک تیسرا سفیر محمد خاں ترکمان کو سندھ کے راستے سے ہندوستان روانہ کیا کہ "وہ شہنشاہ سے اس بد خلقی کی وضاحت طلب کرے" اور سفیر کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ چالیس روز سے زیادہ ہندوستان میں قیام نہ کرتے ہوئے اسی دوران میں خط کا جواب لے آئے دلی دربار نے نہ کوئی جواب دیا اور نہ ہی اس کے سفیر کو واپس جانے کی اجازت دی، اس ضعیف العقل اور بیوقوفی کی پالیسی کے متعلق شیخ علی حزیں یوں بیان کرتا ہے کہ:

"جیسے ہی یہ سفیر شاہ جہاں آباد پہونچا، اس نے خط پیش کیا، اس کو فوراً قیام کرنے کا حکم صادر کیا گیا، لیکن وہ کسی قسم کا بھی جواب دینے سے بالکل خاموش تھے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنے دماغ میں جواب دینے کا سوال ہی نہیں اٹھاتے تھے۔ اور کبھی جواب نہ دینے کے بارے میں سوچنے لگتے تھے۔ اور کبھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوجاتے تھے کہ نادر شاہ کو آداب والقاب کیا لکھے جائیں، ایران کے سفیر کو روک کر یہ لوگ یہ سوچ رہے تھے اور ساتھ ساتھ اس بات کا بھی انتظار کر رہے تھے کہ شاید اس دوران میں حسین افغانی قندھار کا پھر دوبارہ حصار کرے اور نادر شاہ پر فتح حاصل کرکے اس کو اپنے علاقوں سے نکال باہر کرے، اس کو برباد کردے، یا بھاگ جانے پر مجبور کردے، تب اس موقع پر نادر شاہ کو خط کے جواب دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔"

کتاب "جہاں کشا" میں بھی صفحہ ۱۳۳ پر یہی واقعہ لکھا ہے۔

اس طریقہ سے ایک سال گزر گیا۔ قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد نادر شاہ نے اپنے سفیر کو خط روانہ کیا کہ "وہ بہت جلد واپس آجائے۔" اب معاملہ خط وکتابت اور بحث ومباحثہ سے آگے بڑھ چکا ہے۔"

اب نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق سوچ لیا تھا۔[1]

افغانستان اور پنجاب کی غیر محفوظ حالت اور شہنشاہ ہندوستان کی غفلت شعاری

اب اس موقعہ پر مغل سلطنت کے شمال مغرب کے سرحدی صوبوں کی حالت بیان کرنا نہایت ضروری ہے، شروع کے مغل شہنشاہ بابر کابل آیا جایا کرتے تھے، اورنگ زیب کے طویل دور حکومت کے دوران شاہی عظمت وحشمت بہت خطرہ میں پڑگئی تھی۔ اورنگ زیب بذات خود وہاں پہنچا اور دو سال تک وہاں رہنے کے بعد معمولی سی کامیابی حاصل کرکے واپس آیا، اس کے بعد افغانوں کی مسلسل لوٹ کھسوٹ سے اب سرحدی صوبوں میں امن وامان قائم ہوگیا تھا، دوسرے سال امیر خاں کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا، اور اس عہدہ پر وہ انتہائی کامیابی اور قابلیت کے ساتھ ۲۱ سال تک برقرار رہا۔ جب ۱۶۹۸ء میں امیر خاں مرگیا تو اس کے بعد کوئی قابل اعتماد اور لائق گورنر نہ ہوسکا، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پریشانیوں نے پھر سر اٹھانا شروع کردیا، لیکن شاہ عالم

[1] تاریخ جہاں کشا اور تاریخ شیخ علی حزیں۔

(جو اس صوبہ میں ۱۶۹۹ء سے لیکر اپنے باپ کی موت تک گورنر رہا تھا) نے معاملات پر خوب اچھی طرح قابو حاصل کرلیا تھا، اس کے پاس ایک شاندار فوج تھی اور وہ اس فوج کو صوبہ کے ہر حصہ میں ادھر ادھر گشت کرایا کرتا تھا۔ موسم سرما پشاور میں (جو اس زمانہ میں افغانستان میں شامل تھا) گزارتا تھا اور موسم گرما کابل یا بامیان میں۔ ۱۷۱۰ء یا ۱۷۱۱ء میں ناصر خاں جمرود کو فوجدار مقرر کیا گیا تھا اور وہ اس جگہ اپنی موت کے وقت تک قائم رہا۔ ۱۷۱۹ء میں اس کا لڑکا ناصر خاں ہی کے نام سے فوجدار بنایا گیا۔ بعد کو محمد شاہ نے اس کو اس جگہ پر مستقل کردیا، اس کی ماں افغان کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کو بڑی امید تھی کہ وہ اس بات سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبہ پر آسانی کے ساتھ حکومت کر سکتا ہے۔

مگر ناصر خاں دوم بڑا ہی سادہ مزاج اور آرام طلب انسان تھا، اس کا خاص شوق شکار بازی تھا، اور جب اس سے چھٹکارا ملتا تھا تو وہ عبادت وریاضت میں مشغول رہتا تھا، اس طرح "اپنی حفاظت آپ کرنے" کے اصول پر پورا صوبہ چھوڑ دیا گیا، اسی وجہ سے سارے راستے غیر محفوظ ہوکر رہ گئے، دربار میں روشن الدولہ اس کا سرپرست تھا اور شہنشاہ کا خاص الخاص آدمی بھی تھا، اور اسی کے ذریعے سے ناصر خاں کو شاہی وظائف پہونچتے تھے، تاکہ وہ گھاٹیوں کا اچھا انتظام کرسکے، روشن الدولہ کے رقیب خان دوراں نے اس پر روپیہ غبن کرنے کا الزام لگاکر شہنشاہ کو دکھلایا کہ وہ اس وظیفہ کو بیکار سمجھ کر روک دے، ناصر خاں نے بہت اپیلیں کیں، لیکن ان پر کوئی شنوائی نہیں ہوئی ۱۷۳۲ء میں روشن الدولہ زوال پذیر ہوکر نکال دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان میں حالات بگڑتے ہی چلے گئے اور ان کی روک تھام کے امید افزا حالات نہ پیدا ہوسکے۔

غلام حسین حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"نہ تو صوبیدار اور نہ ہی دربار کے امراء اعظم ملک کے راستوں، گھاٹیوں اور سڑکوں کے حالات جاننے کی کوئی کوشش کی اور نہ ہی حفاظتی دستے سڑکوں پر موجود تھے حکومت کی کمزوری کی وجہ سے مقامی افسران کے دلوں میں اس بات کا خوف ہی نہیں رہا تھا کہ "ان سے کوئی بازپرس کی جائے گی کسی کو کسی کی کوئی پرواہ نہ تھی اور نہ کوئی کسی سے ڈرتا تھا، اور نہ ہی کبھی ان لوگوں نے اپنے حاکم اعلیٰ سے احکامات حاصل کرنے کی کوشش ہی کی، جیسا بھی جس افسر نے پسند کیا، وہ کرتا رہا، جو بھی شخص ان سرحدی علاقوں میں جانا چاہتا، بغیر کسی روک ٹوک کے آجا سکتا تھا، شہنشاہ اور اس کے امراء سلطنت نے کبھی ان معاملات کی طرف توجہ دی ہی نہیں، ان لوگوں نے کبھی بھی اس بات کی چھان بین نہیں کی کہ کسی صوبہ یا کسی چوکی سے خطوط کیوں نہیں آرہے ہیں؟"

جب ہم محمد شاہ کی غفلت اور کاہلی کا مقابلہ اورنگ زیب کی دن رات کی دیکھ بھال اور خبرگیری، ایرانی سرحد کے معاملہ میں کرتے ہیں، تو ہم اچھی طرح محمد شاہ کے نظام سلطنت کی نااہلیت اور احمقانہ کارگزاری کی گہرائی تک اندازہ لگا سکتے ہیں، جیساکہ نادر شاہ کے حملہ سے پہلے ان صوبوں کی حالت تھی۔

کابل کے گورنر نے پچاسوں درخواستیں شہنشاہ کو روپیہ روانہ کرنے کے لئے بھیجیں تاکہ فوج کی تنخواہیں تقسیم کردے، لیکن اس کی کسی درخواست کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، اس لئے کہ مخالفانہ عنصر دربار میں ایسا موجود تھا، جو انتہائی سے زیادہ طاقتور تھا، جو کسی کی بھی اپنی مرضی کے خلاف چلنے نہیں دیتا تھا، اور شہنشاہ نے کبھی اپنے اصول جہانداری کو برتا ہی نہیں اور نہ ہی کبھی بذات خود کسی معاملہ کی طرف توجہ دی۔ پانچ سال کی بقایا تنخواہ ہونے کی وجہ سے سپاہی بھوکوں مرنے لگے۔ خراب غذائیں زنگ آلود ہتھیار، اور غربت کی وجہ سے ان لوگوں نے صوبے دار سے پانچ سال میں سے صرف ایک سال کی تنخواہ دینے کے لئے زور ڈالا تاکہ وہ لوگ کم از کم اپنے قرض خواہوں کا منہ کچھ حد تک بند کرسکیں اور جو کچھ بچ جائے اس سے آگے کا خرچہ چلانے میں تھوڑی بہت مدد لے سکیں، ناصر خاں ان کو یقین دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ۔ "دوستو! تم لوگ کیوں اتنا پریشان ہو۔ میں نے شہنشاہ کو لکھ دیا ہے اور دربار میں اپنے ایجنٹ کو بھی۔" "میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ روپیہ آج نہیں تو کل ضرور ہی آجائے گا۔"

جب اس ایجنٹ نے خان دوراں، امیر الامراء کو درخواست پیش کرتے ہوئے افغانستان کے خطرناک حالات اپنے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے خوفزدہ انداز میں بیان کئے تو امیر الامراء نے انتہائی خشکی سے جواب دیا کہ:

"کیا تم مجھ کو سادہ لوح یا بیوقوف انسان سمجھتے ہو؟ جو تم بیان کررہے ہو کیا میں اس سے بہت متاثر ہوجاؤں گا؟ ہمارے گھریلو میں بنے ہوئے ہیں۔ ہم اس وقت تک کسی بات کا یقین نہیں کرتے ہیں، جب تک کہ ہماری آنکھیں اس کو خود دیکھ نہ لیں اور تمہارے مکانات پہاڑ کی چوٹیوں پر بنے ہوئے ہیں، اس لئے تم لوگوں نے منگولوں یا ترکیوں کو دیکھ لیا ہوگا۔ اپنے گورنر کو جواب دے دینا کہ ہم بنگال کے گورنر کو روپیہ کے لئے لکھ رہے ہیں، اور جب بنگال کا روپیہ یہاں برسات کے بعد آجائے گا تو بہت جلد کابل روانہ کردیا جائے گا۔"

ان تمام معاملات کے نتائج کو غلام حسین کے الفاظ میں بیان کرنا زیادہ بہتر ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

"اب ناصر خاں کے لئے ناممکن تھا کہ نادر شاہ کو ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے سے روک دے، حکومت ایک سڑے ہوئے پھل کی طرح ہوگئی تھی اور شہنشاہ اپنی طاقت کھوچکا تھا، افغانستان کے نظام کو درست رکھنے کے لئے کوئی رقم بھی وہاں نہ بھیجی گئی ان تمام حالات کے نتائج سے باخبر ہوکر صوبیدار اپنا ذاتی آرام دیکھتے ہوئے پشاور میں رہنے لگا، کابل کے قلعہ کو ایک قلعدار کے حوالہ کردیا گیا اور اس کو حکم دیا گیا کہ ہندوستان جانیوالے راستوں پر کڑی نظر رکھے۔"

(باقی آئندہ)

بقیہ مسلم مشاورت کا دورہ گجرات

زندہ رہے گی۔ اور عزت ہی کی موت مرے گی اور ملک کے گوشے گوشے میں فرقہ وارانہ اخوت کا پیغام پہونچائے گی۔

ٹاؤن ہال کا استقبالیہ

۵۔ اس دورہ کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ بڑودہ میونسپلٹی نے اس وفد کے ممبروں کو ٹاؤن ہال میں استقبالیہ دیا۔ ان استقبالیہ تقاریب میں بورڈ کے صدر اور تمام ممبر شریک ہوئے اور کانگریس، کمیونسٹ، جن سنگھ اور دوسری پارٹیوں کے ممبران نے یکساں جذبات کا مظاہرہ کیا۔ بعض مقامات پر ممبران پارلیمنٹ واسمبلی بھی شریک تھے۔

بہر حال بر نوعیت سے بہار ایشن تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہورہا ہے جس سے مختلف فرقوں میں اچھے تعلقات پیدا ہورہے ہیں۔

فاتح زمانہ کی شکست

تنجیرالحسن ندوی

شاہی دسترخوان انواع و اقسام کی نعمتوں سے پر ہے، خدام اپنے فرائض انجام دے کر ایک گوشہ میں ادب و تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے کھڑے ہیں۔ امراء و مصاحبین اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے ہیں۔ لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کی جگہ ابھی تک خالی ہے۔ اس لئے تمام لوگ حیرت و تعجب میں ڈوبے ہوئے ہیں اور سب کی نگاہیں سامنے پردہ پر مرکوز ہیں۔

چند لمحہ بعد پردہ میں جنبش ہوئی اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن آنے والے کو دیکھ کر سب کی خوشی کافور ہوگئی اور ابھی ملک افضل سلطان کی جگہ پر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ہر طرف سے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں، اور آہ و بکا کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، کھڑے ہوئے خدام بھی اپنے دامنوں کی نمک سے تر کر رہے تھے۔

آہ و بکا کا سلسلہ ختم ہوا لیکن کھانے کی طرف توجہ دینے کے بجائے ہر ایک کی سوالیہ نگاہیں ملک افضل کی طرف تھیں۔ ملک افضل نے بھی ان آنکھوں کے مفہوم کو سمجھ لیا اور کہنا شروع کیا "والد بزرگوار آج شب بھر بالکل نہیں سوئے۔ ان کو آج بہت تکلیف تھی، تمام بدن پر خشکی کا غلبہ ہے، وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں، آپ حضرات دعائیں فرمائیں" ملک افضل اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہ کہہ سکے کیونکہ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

آج سلطان کو بیمار ہوئے چھ دن ہو گئے ہیں، ہر قسم کی دوائیں دی گئیں، اطباء نے اپنی پوری کوششیں صرف کیں، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ ضعف تو بہت بڑھ گیا ہے: ابھی ابھی انھیں دوا دی گئی ہے اور اب خادم پانی لے حاضر ہے تاکہ بدمزگی دور ہو جائے۔ سلطان نے پانی پیا اور فرمایا "بھئی یہ تو بہت ہی گرم ہے" خادم دوسرا پانی لایا، پینے کے بعد فرمایا "یہ تو بہت ٹھنڈا ہے۔ کیا کوئی اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ معتدل پانی مجھے دے۔"

سلطان کے قریب ہی قاضی فاضل اور قاضی بہاء الدین بیٹھے ہوئے تھے، ان سے رہا نہ گیا، وہ دونوں اٹھ کر باہر چلے آئے اور قاضی فاضل کہہ رہے تھے کہ افسوس اب ایسا بااخلاق شخص ہم سے جدا ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم اگر کوئی دوسرا اس وقت ہوتا تو وہ غصہ میں آ کر پیالہ کو لانے والے کے منہ پر دے مارتا اور غصہ میں جو کچھ بکتا وہ الگ۔

سلطان کا مرض دن بدن بڑھتا ہی رہا لوگ مایوس ہوتے رہے، ہر طرف غم و الم کے بادل چھانے لگے، لوگ اپنے محبوب رہنما کا حال معلوم کرنے کے لئے بے چین رہتے سلطان کے مکان کے دروازہ پر ہر وقت بھیڑ لگی رہتی لوگ احوال معلوم کرنے آتے اور غمگین و رنجیدہ لوٹ جاتے۔ کسی کو اپنا ہوش نہیں تھا۔ کھانے پینے کی فکر کسی کو نہیں تھی، لباس اگر بوسیدہ اور پھٹا ہوا ہے تو اس کی طرف بھی توجہ نہیں، مسجدیں نمازیوں سے پر ہیں۔ ہر نماز کے بعد سلطان کے لئے دعاؤں کے ہاتھ اٹھ جاتے۔ اشک بہتے رہتے اور دعائیں ہوتی رہتیں۔

لیکن قدرت کے فیصلے دعاؤں سے نہیں بدلتے۔

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" بیماری کے نویں دن سلطان پر غشی طاری ہوئی جس کی خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔

چلتے ہوئے قدم رک گئے۔ کھلے ہوئے بازار بند ہوگئے، کمزور دل والے لوگ بیہوش ہوگئے۔ بہتیرے غم سے پاگل ہوگئے۔ مسجدوں میں لوگ جمع ہونے لگے، جو بھی گیا وضو کرکے سجدے میں گر گیا۔ اور گریہ و زاری کرنے لگا اور دعا میں مشغول ہوگیا۔

مرض کے دسویں دن شمع بجھنے سے پہلے بھڑکی سلطان کے مرض میں کچھ کمی آئی۔ صحت ٹھیک ہونا شروع ہوئی۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ لوگ خوشی سے دیوانے ہوگئے۔ ہر ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرنے لگا۔

لیکن دوسرے دن جو خبر عوام تک پہونچی۔ اس نے عوام کو اور زیادہ بے چین کر دیا۔ کیونکہ لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "آج سلطان کے جسم سے اس قدر پسینہ نکلا کہ پورا بستر بھیگ گیا اور نمی کا اثر چارپائی اور زمین پر بھی تھا

آج سلطان کو بیمار ہوئے ۱۴ دن ہو گئے ہیں مرض نے بہت شدت اختیار کرلی ہے ضعف بڑھ گیا ہے۔

اعیان و انصار، امراء و وزراء خدام و مصاحبین سر جھکائے کھڑے ہیں اور سلطان کی کیفیت کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں اسی اثناء میں ملک افضل کمرہ میں داخل ہوئے اور کچھ اشارہ کیا، اور لوگ باہر چلے گئے۔ اندر عورتوں کا اجتماع سلطان سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔

تمام لوگوں کے ساتھ ملک افضل بھی باہر چلے آئے انھوں نے آتے ہی قاضی فاضل اور قاضی بہاء الدین سے کہا کہ آج آپ لوگ یہیں رکئے۔ سلطان کی طبیعت آج بہت خراب ہے لیکن قاضی فاضل نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ "میرے خیال میں شیخ ابوجعفر کا قیام زیادہ مناسب ہوگا۔

شام کو سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اب سلطان کے کمرہ میں صرف شیخ ابوجعفر تھے، اور سلطان پر غشی طاری تھی۔ دونوں آنکھیں بند تھیں۔ شیخ جعفر نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دی، اثناء تلاوت جب وہ اس آیت پر پہونچے۔

"هو الله الذي لا إله إلا هو عالم الغيب و الشهادة"

(وہی وہ ذات ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ حاضر و غائب سب کو جانتا ہے۔)

تو سلطان نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "صحیح" ہے۔

تلاوت اس کے بعد بھی جاری رہی اور یہ آیت بھی تلاوت کی گئی۔

"لا إله إلا هو عليه توكلت" اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا۔"

اس آیت کو سنتے ہی سلطان مسکرائے اور ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ جیسے کسی محبوب ترین چیز کے خواہش مند رہے ہوں اور ان کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی ہو یا کسی کا شدید انتظار رہا ہو اور وہ آگیا ہو۔

شیخ ابوجعفر نے سلطان کی طرف دیکھا لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی اور نگاہیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ شیخ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اور سلطان نے آنکھیں بند کرلیں۔

یہ وہ شخص تھا جو زندگی بھر کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا بڑے بڑے خطروں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ صلیبیوں کی متحدہ طاقت کو بار بار عبرت ناک شکستیں دیں، بڑے بڑے سورما جس کے نام سے کانپتے تھے۔ آج قدرت کے فیصلے کے سامنے جھک گیا، موت سے شکست کھا گیا۔

محمد سعید رمضان البوطی پروفیسر دمشق یونیورسٹی

میخانۂ یورپ کے نرالے انداز

(۴)

ترجمہ: نور عظیم ندوی

یہ فکری جنگ (مذکورہ بالا تمام اسلحہ اور وسائل کے ساتھ) دین اور اخلاق کا لبادہ اوڑھ کر لڑی جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسیحی مبلغین انتہائی اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کی اشاعت کر رہے ہیں اور آپ کے اسوہ اور تعلیمات کو روئے زمین پر عام کرنے کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن ہمیں کامل یقین ہے کہ اس لبادہ میں اور ان کے پہننے والوں میں ادنیٰ تعلق بھی نہیں بلکہ باطن کو چھپانے کے لئے یہ لباس اختیار کیا گیا ہے اور نہ ان بے حساب اخراجات اور غیر معمولی جد و جہد سے حضرت مسیح علیہ السلام کے پیغام کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے پیغام اور ان کی تعلیمات کو بھی اتنا زبردست نقصان پہنچا ہی نہیں جتنا ان استعماری سیاست بازوں کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ انہی نے گندگیوں اور آلودگیوں سے بھرپور تہذیب کو رواج دیا اور اعلیٰ اخلاق کا دیوالیہ کر دیا۔

مسیحی مبلغین یہ لباس مسلمان ملکوں میں پہنتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے سعید ترین شاگرد اور آپ کی سیرت و کردار کا مجسم نمونہ ہیں لیکن اپنے وطن جاتے ہی اسے اتار پھینکتے ہیں اور وہاں کے لہو و لعب اور معاصی سے بھرپور زندگی کے سیلاب میں گم ہو جاتے ہیں۔

غالباً ہر پڑھے لکھے شخص کو معلوم ہوگا کہ یہ پادری جب تک اپنی لادینی حکومتوں میں رہتے ہیں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی اور نہ وہاں کے معاشرہ میں ان کا کچھ اثر رہتا ہے لیکن جیسے ہی اپنے ممالک سے نکل کر محکوم علاقوں کی طرف رخ کرتے ہیں ان کو بہت اہمیت دی جانے لگتی ہے۔ عزت و احترام سے رخصت کیا جاتا ہے کامیابی کی دعائیں دی جاتی ہیں اور ان کی نگرانی، اور ادبی ہر قسم کی پوری امداد کی جاتی ہے تاکہ کیسوئی کے ساتھ اپنی مہم میں لگے رہیں اور کامیاب واپس ہوں۔

صموئل زویمر نے ۱۹۳۵ء میں فلسطین کے جبل زیتون کے علاقہ میں منعقدہ مسیحی مشنریز کی ایک کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے انھیں اس مہم کی وضاحت کی، ان کا فریضہ یاد دلایا اور تنبیہ کی کہ ان کی یہ کوشش نہ ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو حضرت مسیح پر پختہ عقیدہ رکھنے والا عیسائی بنا دیں۔ وہ کہتا ہے:

"ہمیں اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ ہم یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نکال کر نصرانیت میں داخل کر دیں بلکہ ہمیں اسی پر اکتفا کرنا چاہیے کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے بے دین بنا دیں ـــــ اسی طریقے سے تم استعماری فوج کے لئے ہراول کا کام کرسکوگے۔ خداوند کی رضا تمہارے ساتھ ہو۔ وہ تمہاری مہموں میں برکت عنایت فرمائے۔"

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ استعماری افواج کی امداد ان کے مظالم میں تعاون اور خداوند کی رضا میں تعلق کیا ہے۔ کاش کوئی انجیل مقدس اور حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت کی روشنی میں یہ واضح کرسکتا کہ ان دو نقیضوں میں تعلق کس طرح ممکن ہے؟

مجھے یقین ہے میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ مسیح علیہ السلام اور انجیل مقدس دونوں مسیح کے خدا کے سامنے اس سے برأت کا اعلان کریں گے۔ کہ کبھی بھی انھوں نے انسانوں کو محکوم بنانے، ان کا خون چوسنے اور ان کے سینوں پر مسلط رہنے کا پیغام دیا ہو!

اگر یہ مسیح علیہ السلام کے پیغام کی طرف دعوت دینے میں واقعی سچے ہوتے تو اطمینان سے اپنے وطن واپس لوٹ جاتے اور اتنی تکلیف و مشقت برداشت نہ کرتے کیونکہ مسیح کو ہم ان سے زیادہ مانتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں مسیح کی ان سے کہیں زیادہ عزت و عظمت ہے اور آپ کی اخلاقی تعلیمات پر ہم ان سے زیادہ عمل بھی کر رہے ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

حقیقت یہ کہ استعماری طاقتیں دین کے تقدس کا خون کر رہی ہیں وہ کمزور اقوام پر غلبہ حاصل کرنے ان کی عزت و حرمت کو پامال کرنے اور ان کی آزادی کو غصب کرنے کے لئے مسیح علیہ السلام اور ان کے دین کا ناجائز استعمال کر رہی ہیں۔

یورپ فکری بے راہی، اخلاقی انارکی اور سیاسی کم ظرفی میں اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ اپنی سیاسی اور اخلاقی غلاظتوں کو مسیح کے دین اور ان کی تعلیمات سے صاف کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرتا ـــــ یورپ اس حد تک اسی وقت پہنچ گیا تھا جبکہ کلیسا کے ناقوسوں نے صلیبی جنگوں کا اعلان کیا تھا جبکہ فلسطین کے راستہ میں صلیب بلند کیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ مسیح کی سرزمین کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔

بلا حقیقت تو یہ ہے کہ کلیسا کے ناقوس اسی لئے بجے تھے اور مسیحی صلیب یہ اعلان کرنے کیلئے بلند ہوئی کہ یورپ میں دین کا تصور اب بدل چکا ہے۔ دین اب معاشرہ کی تشکیل کا ضابطہ یا زندگی گزارنے کا دستور نہیں رہا بلکہ اب غلبہ و تسلط کے لئے تیز چنگل اور وحشت و درندگی کے لئے بھیانک دانتوں کا کام دے گا۔

یہ ہے وہ شاہراہ جس سے استعماری فوجیں ہم تک پہنچ رہی ہیں۔

مسلسل جنگ، ہمارے مقدس عقائد کے خلاف اور اسلامی تعلیم و تربیت کے خلاف، صلیبی جنگوں کے بعد اس کی ابتدا ہوئی، انحطاط کے زمانے میں بڑھتی اور ترقی کرتی رہی اور بیسویں صدی کے آخر پیچیدہ اور مشکل فن بن گئی۔

مندرجہ بالا تفصیلات غالباً اسلامی تعلیم و تربیت کی اہمیت واضح کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ جس پر مسلسل چھ صدیوں سے استعماری طاقتیں منڈلا رہی ہیں، کیونکہ یہی اس جنگ کا اہم ترین ہتھیار ہے اور ہماری اور استعمار پسندوں کی جنگ کا فیصلہ اسی پر منحصر ہے ـــــ لیکن اس کے باوجود ہم میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی اہمیت سے قطعی ناواقف ہیں بلکہ اس موضوع پر کوئی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان لوگوں کے سامنے نئی نسل کی اسلامی تعلیم و تربیت کو واضح کریں، اس کا مقام متعین کریں ان لوگوں سے، سیاسی لیڈروں اور حکام سے، ادیبوں اور صحافیوں سے، اساتذہ اور طلباء سے صاف صاف کہہ دیں کہ:

یہی تمہارا سب سے طاقتور اور
موثر ہتھیار ہے، تمہارے دشمن
اس سے گھبرائے ہوئے ہیں اور
مسلسل چھ صدیوں سے اس کے
پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح
تم سے چھین لیں اور تم ہو کہ تمہیں
کچھ خبر ہی نہیں، تم اس کی طرف
توجہ ہی نہیں دے رہے ہو!!

(ختم شد)

غزوات و سرایا

سیرت نبویؐ کا ایک اہم باب

مولانا اسیر ادروی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں جب غیروں نے واقفیت حاصل کرنی شروع کی تو جنگوں کا ایک طویل سلسلہ ان کے سامنے آیا۔ ان کی نگاہیں ناقدانہ تھیں عقیدت اور اثر پذیری کا ان میں کوئی شائبہ نہیں تھا۔ اس لئے انھوں نے اس پر حیرت کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق ایک ایسا نفرت انگیز خاکہ دنیا کے سامنے پیش کیا جو ایک ظالم و جابر، شقی القلب مطلق العنان بادشاہ کا خاکہ تو ہو سکتا ہے ایک پیغمبر اور رسول کی تصویر نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مصنفین نے بانی اسلام پر جبر و تشدد کا الزام لگایا اور انھوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلام میں بذات خود کوئی خوبی اور برتری نہیں ہے، اس کی ساری ترقی اور اشاعت صرف تلوار کی رہین منت ہے۔ اس الزام کے عائد کرنے میں تھوڑی بہت غلط فہمی کو بھی دخل ہے لیکن اس میں جذبۂ عیسائیت، جذبۂ قومیت و وطنیت اور دوسری عصبیتوں کا اثر زیادہ کارفرما ہے۔ اس کے باوجود اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آج یورپ کے انداز فکر اور ان کی تحقیق اور ریسرچ کا ساری دنیا پر اثر پڑتا ہے اس کے ان خیالات و نظریات کا بھی اثر پڑنا ناگزیر ہے اس لئے ضرورت ہے کہ اس قسم کے خیالات کی حقائق و تاریخ کی روشنی میں قرار واقعی تردید کی جائے تاکہ ہم اسلام کو آج بھی ایک بہتر اور برتر نظام حیات کے طور پر یورپ اور دوسرے متمدن ممالک کے سامنے پیش کر سکیں اور ایسا کرنا موجودہ دور میں انتہائی ضروری ہے کیونکہ ہم اگر یورپ اور دوسرے متمدن ممالک کے سامنے اسلام کی صداقت و برتری، سماجی و معاشرتی اور اقتصادی مشکلات کے بہترین حل کے طور پر اسلام کو پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کا کوئی بھی طبقہ اسلامی اصولوں کی افادیت و برتری پر سوچنے کے لئے مجبور ہو گیا تو اس کا دنیا پر انتہائی خوشگوار اثر مرتب ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے محدود دائرے میں اسلام کو سمیٹے رہے اور خود یہ سمجھ لیا کہ اپنے وطن میں مذہب کی بقا اور اسلام کی حفاظت اسی طرح کر لیا ہے تو یقین جانئے کہ آپ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آپ اس طرح متذکرہ مسلمات کے نہ ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ مذہب و ملت کی بقا کے لئے کوئی سہارا پیدا کر سکتے ہیں، آج زمین کی طنابیں کھنچ گئی ہیں، دنیا سمٹ کر ایک شہر کی طرح ہو کر رہ گئی ہے رسل و رسائل کی فراوانی اور سہولتوں نے صورت حال یہ بنادی ہے کہ کسی ملک میں چلنے والی تحریک سے دوسرے ممالک باخبر ہی نہیں رہتے بلکہ اس تحریک کا مثبت یا منفی اثر بھی پڑتا ہے۔ دنیا کے کسی ایک شہر میں ایک فیشن چلتا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں دنیا میں اس کی تقلید شروع ہو جاتی ہے۔ کیا نظریات و خیالات کی رو اس سے کم رفتار ثابت ہوگی؟ یقین جانئے اگر آپ نے یورپ اور متمدن ممالک کے سامنے اسلام پیش کرنے میں کوتاہی کی تو انھیں ممالک سے الحاد و دہریت کا ایک سیلاب ابھرے گا جو پورے ایشیا کو بہالے جائے گا۔ پھر نہ کوئی بند کام آسکتا ہے اور نہ کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے۔

اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ ہماری کوتاہیوں

(باقی ص ۱۴ پر)

یوم جمہوریت

دیش کی ترقی و خوشحالی کا

ضامن ہے

نورانی تیل

آپ کی صحت کا محافظ ہے۔

★ جسمانی درد

★ زخم

★ چوٹ

★ جلنے کٹنے

★ اور طاقت کی مشہور دوا ہے

ہمیشہ اپنے پاس رکھئے!

بنانے والے:- انڈین کیمیکل کمپنی - متو ناتھ بھنجن - یو-پی

ہوتا ہے جادہ پیماں پھر کارواں ہمارا

مسلم مشاورت کا دورۂ گجرات

(جناب این ایم انور صاحب سکریٹری جنرل کل ہند مسلم مجلس مشاورت)

کل ہند مجلس مشاورت کے وفد نے ۱۲ دسمبر سے ۱۹ دسمبر ۶۳ء تک گجرات کا کامیاب دورہ کیا۔ اس دورے کے سلسلے میں مجلس کے سکریٹری جنرل جناب این ایم انور صاحب کے تاثرات کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۲ دسمبر ۱۹۶۳ء کی صبح ابتدائی وقت جبکہ سورت کا درجہ حرارت سردی کی انتہاؤں کو چھو رہا تھا۔ ہمارے خیر سگالی کے وفد نے اپنا بارہ روزہ دورۂ گجرات مکمل کیا۔ یہ دورہ ہمارے خیر سگالی کے سفر کا تیسرا دورہ تھا۔ تاریخ امت کا تیسرا باب ۔۔ جسے اس سفر کے ذریعہ ہندوستان کے قلب کی جانب ہم نے عدم مٹھایا تھا تاکہ اس ملک کے باشندوں میں فرقہ وارانہ میل جول پیدا کیا جائے اور ہندو مسلم اتحاد قائم کیا جائے۔

آج ۸ اگست کے تاریخی روز کو ایک سو انتیس دن پورے ہو گئے جبکہ لکھنؤ کے آل انڈیا مسلم کنونشن نے مسلم مجلس مشاورت کی شکل میں پانچ کروڑ مسلمانوں کی قیادت کو جنم دیا۔ کنونشن کی جانب سے اس مجلس کو پابند کیا گیا کہ وہ پینتالیس کروڑ افراد کے اس طویل و عریض ملک کے تمام اطراف و نواحی کا دورہ کرے۔

اس پیغام کو لیکر ہمارا قافلہ فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتا ہوا ملک کے چپہ چپہ پر گیا۔ اس نے یہاں سے اتر پردیش، مدھیہ پردیش سے مہاراشٹر اور راجستھان سے گجرات تک کی زمین چھان ڈالی۔ اس قافلہ میں شامل بوڑھے اور نوجوان تمام لوگوں نے دن رات ایک کر کے بیس بیس گھنٹے کام کیا سردترین موسم کی آدھی آدھی رات تک وہ کام میں لگے رہے اس سلسلہ میں یہ بات یقیناً قابل ذکر ہے کہ ہمارے اس قافلہ کے زیادہ مسافر اپنی عمر کی ساٹھ سال کی حد کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ اس ضعیفی کی عمر میں اتنے سخت موسم کا مقابلہ کرتے ہوئے انتہائی صبر آزما سفر کے دوران امن و آشتی کے پیامی پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے رہے اور ہر روز رات گئے تک تمام جلسوں میں مسلسل شرکت کرتے رہے۔

بحیثیت مسلمان کے ہم کہتے ہیں کہ ایک زنجیر کی قوت کا انحصار اس کی کمزورترین کڑی پر ہوتا ہے، اس کڑی کو مضبوط بناؤ، ہماری زنجیر آپ ہی آپ مضبوط ہو جائے گی۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم سیاست کی دلدل میں گرنے سے بچیں، ہم اپنے اختلافات بھول جائیں اور اپنے ملک کو آپسی محبت و خلوص اور فرقہ وارانہ یکجہتی کی راہ پر لگائیں، ہمارے اس دورۂ گجرات میں بارہ آدمیوں پر مشتمل وفد تھا جس کی قیادت مجلس کے صدر ممبر پارلیمنٹ ڈاکٹر سید محمود نے کی۔ اس وفد کے ممبران کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب (۲) مسٹر محمد اسمٰعیل صاحب ایم پی (صدر انڈین یونین مسلم لیگ) (۳) مولانا ابو اللیث صاحب اصلاحی امیر جماعت اسلامی ہند (۴) پنڈت سندر لال جی (۵) ملا جان محمد (صدر خلافت کمیٹی کلکتہ) (۶) مولانا محمد منظور نعمانی (۷) مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۸) این ایم انور (ایم پی) (سکریٹری جنرل آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت) (۹) مسٹر ابراہیم سلیمان سیٹھ ایم پی جنرل سکریٹری انڈین یونین مسلم لیگ (۱۰) مسٹر سید مظہر امام سابق ایم پی (سکریٹری آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت) (۱۱) مولانا مسعود احمد صدیقی سکریٹری جمعیۃ العلماء ہند (۱۲) مولانا عبد الرحمن پالن پوری۔

ڈاکٹر سید محمود، مسٹر محمد اسمٰعیل اور مسٹر ابراہیم سلیمان سیٹھ اپنے کچھ ضروری کاموں کی وجہ سے ۱۸ دسمبر ہی کو اپنے اپنے مراکز پر واپس آگئے تھے۔ لیکن باقی حضرات نے پورے پروگرام میں شرکت کی اور وہ ۲۵ دسمبر کی نصف شب تک اس وفد کے ساتھ تھے۔

جن جن مقامات پر ہم لوگ گئے ان پالن پور، احمد آباد، نڈیاڈ، وزنگر، سدھ پور، بڑودہ، گودھرا، بھروچ، جانبی، انکلیشور، سورت اور نوساری شامل ہیں۔ گجرات کے اس دورہ میں ہر جگہ نظر آنیوالے بے پایاں جذبات کے علاوہ پانچ چیزیں ایسی تھیں جن سے ہم بہت متاثر ہیں۔

۱۔ باوجود انتہائی شدید سردی کے تمام سامعین نو بجے رات سے ایک بجے شب تک بیٹھے رہتے اور بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر مشتمل یہ حاضرین مقررین کی تمام تقریریں انتہائی پرسکون ماحول میں سنتے۔

۲۔ بڑودہ اور بھروچ میں خصوصاً ہار پہنانے کی رسم عجیب و غریب نوعیت کی تھی۔ بڑودہ کی جامع مسجد کے نیچے تقریباً پچاس معزز افراد نے وفد کے بارہ ممبران کو ہار پہنائے۔ اور وہ اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ چنبیلی، گلاب اور تلسی وغیرہ کے رنگا رنگ پھولوں سے مزین اس پروگرام نے پورے پچاس منٹ لئے۔ بھروچ میں ریلوے اسٹیشن اور ہاری بنگلہ کے درمیان تین میل کے راستے میں وفد کے اوپر عرق گلاب چھڑکا گیا اور ان کو مشروبات پیش، مختلف مکانوں کی چھتوں سے پھول بھی پھینکے گئے۔ ان کل باشندوں میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور پارسی۔ غرض ہر مذہب اور ہر ملت کی عورتیں شامل تھیں۔

۳۔ گجرات کے مہمان نوازی اور خاطر تواضع خصوصاً قابل ذکر تھی۔ دعوتیں میٹھے سے شروع ہوتی تھیں اور میٹھے ہی پر ختم ہوتی تھیں، ان کے درمیان مچھلی اور گوشت وغیرہ سے بنے ہوئے کھانے ہوتے تھے۔ ایسی قارئین کے سامنے ان کھانوں کا ذائقہ بیان بھی کر سکتا۔ کھانے کا مزہ بیان کرنے میں نہیں بلکہ کھانے میں ہے۔

مگر معزز قارئین آپ یقین کیجئے آدمی محض روٹی کے بل پر زندہ نہیں رہ سکتا۔

۴۔ گجرات کے مختلف گروہوں میں منقسم مسلمان اپنی گروہی عصبیتوں کو بھول کر وفد کے گرد جمع ہو گئے تھے ان وفد کا استقبال کرتے وقت سنی اور شیعہ داؤدی بوہرہ اور سنی بوہرہ، میمن اور مومن، خواجہ اور اسماعیلی، دیوبندی اور بریلوی، مہدوی اور مولانا اسلام، وہابی اور صوفی وغیرہ غرض سب ایک جسد ہو گئے تھے۔ حقیقتاً اس منتخب قیادت کے گرد چہ کرور مسلمان جمع ہو گئے تھے سوائے ان افراد کے جن کو محض اپنی غرض پوری کرنا ہے اور جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

امت نے اسوقت طے کر لیا ہے کہ وہ موجودہ قیادت

(بقیہ ص ۱۴ پر)

دارالعلوم ندوۃ العلماء
کے لئے
ایک اہم اپیل

دارالعلوم ندوۃ العلماء ہندوستان کے دینی وعلمی حلقہ میں تعارف کا محتاج نہیں، یہ ادارہ اپنی دینی اور تعلیمی افادیت کے ماسوا اپنا ایک خاص امتیاز اور مخصوص حیثیت رکھتا ہے وہ جن بلند مقاصد کے تحت قائم ہوا ہے اور جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس کا قیام وجود میں آیا ہے وہ مقاصد اور وہ ضرورت تغیرات زمانہ کے باوجود اس وقت بھی نہ صرف باقی ہے بلکہ اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

جس کا تقاضہ ہے کہ درد مند اور صاحب شعور مسلمان نیز مخیر حضرات اس کے نئے وجود کو زیادہ ضروری سمجھ کر موجودہ زمانہ کی ذمہ داریوں اور مشکلات کو سامنے رکھ کر زیادہ اولوالعزمی سے اس کی ضروریات کا انتظام کرتے اور اس کو اپنا اہم فریضہ انجام دینے کے لئے (جو وقت کا اہم ترین فریضہ ہے) کسی مالی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا، موجودہ ہوش ربا گرانی اور اقتصادی پریشانی نے اس کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا ہے اور اس کی مالی امداد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے گزشتہ سال ہم نے اس سلسلہ میں کوئی اپیل نہیں کی تھی اور اس وقت معاملات نسبتاً بہتر بھی تھے، لیکن آج ہمیں اس کے لئے اہل خیر واہل ہمت مسلمانوں کو متوجہ کرنے کی سخت ضرورت پیش آرہی ہے۔

کوئی ادارہ اس وقت تک دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنا کام انجام نہیں دے سکتا، جب تک وہ مالی تخیب و فراز میں مبتلا ہے اور اس کے کارکنوں کے وقت اور دماغ کا بڑا حصہ معاشی فکروں اور ضروریات زندگی کے حصول میں صرف ہو رہا ہے۔ الحمدللہ آج دارالعلوم کی اہمیت اور اس کی خصوصیات سے نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ پورا عالم اسلام واقف ہے اور دنیا کے مختلف حصوں کے نوجوان یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ایک بہت بڑی تعداد اس کی خواہش مند ہے، اس کے علاوہ خود اس ملک کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس کی خواہش مند ہے کہ اس کے بچے یہاں تعلیم حاصل کریں اور ان خصوصیات کے حامل بنیں جن کی موجودہ عہد میں ضرورت ہے لیکن

چونکہ موجودہ اقتصادی مشکلات اور گرانی نے اور مسلمانوں میں صحیح شعور و احساس ذمہ داری کی کمی نے ہمارے اوپر دوہرا بوجھ ڈال دیا ہے اور موجودہ اخراجات کی تکمیل میں بھی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ اس لئے نئی ذمہ داریاں قبول کرنے اور اپنا دائرہ وسیع کرنے سے پہلے ہمیں اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا ہوگا۔

ہماری موجودہ دنیا میں اسلامیت و مغربیت یا دین و لادینیت کا ایک معرکہ برپا ہے یہ دو گھوڑوں کی ریس ہے جو دو مخالف سمتوں میں دوڑنا چاہتے ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ لادینیت کا گھوڑا آزاد اور کھلا ہوا ہے اور اسلام کا بندھا ہوا ہے۔ دیکھنے والے اور تماشائی یہ تو دیکھتے ہیں کہ وہ آگے نہیں بڑھ رہا ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے پیر میں بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ مقابلہ تو اس وقت ہوتا جب اس کو بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ یہ بیڑیاں وسائل کی کمی، اقتصادی مشکلات شعور و احساس کا فقدان اور ملت کے ان اہم تقاضوں اور ضرورتوں کی طرف سے غفلت ہے جن پر اس کی زندگی و بقا کا انحصار ہے اور اس کے لئے قلعوں اور فصیلوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بہت سے اہم منصوبے اور بہت نازک ضروریات محض وسائل اور سرمایہ کی کمی کی وجہ سے پوری نہیں ہو پاتیں۔ مثلاً طلبہ کے لئے رہائش و خوراک کا بہتر انتظام اور اساتذہ و مربی حضرات کی معاشی فارغ البالی اور یکسوئی جو بہتر تعلیم و تربیت اور دماغی و جسمانی صحت پر بھی اثر ڈالتا ہے اور اس سے نشاط و قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالعلوم اس شعبہ میں فارغ البال اور مطمئن ہو کر اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھ سکے اور یکسو ہو کر طلبہ کی تعلیم و تربیت اور ان کے ذہن و سیرت کی تشکیل کا کام انجام دے سکے۔

دارالعلوم کے سالانہ مصارف (مع ضروری تعمیرات) ڈھائی لاکھ روپے ہیں۔ مجموعی طور پر اس میں آٹھ سو سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ گذشتہ سال وظائف پر تقریباً ۴۵ ہزار کا خرچ آیا۔ حالانکہ ہم کم تعداد میں وظائف دے سکے۔ الحمدللہ کہ ہر سال طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ان کے خورد و نوش اور رہائش کے مصارف بڑھ رہے ہیں کئی سال سے تعمیری کام بھی برابر جاری ہے اور متعدد نئے اور ضروری منصوبے ادھورے پڑے ہوئے ہیں۔

ان تمام باتوں کا تقاضہ ہے کہ مسلمان اب نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ اس کی ضروریات اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے آگے بڑھیں۔ وہ اس ادارہ کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کریں۔

موجودہ حالات و تغیرات نے ان اسلامی قلعوں کی اہمیت اور بڑھا دی ہے اور اب ہر شخص کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ اگر اللہ اس کو اس کی استطاعت بخشی تو اس پر اس کی پوری ذمہ داری ہے اور اس کا مقدس فرض ہے کہ اس کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس میں سستی نہ کرے بلکہ اس کی کوشش کرے کہ اس کا حصہ اس کار خیر میں سب سے زیادہ ہو اور یہ سمجھے کہ اس سے نہ صرف ان مدارس کی حفاظت ہوگی بلکہ خود اس کی حفاظت و ترقی کا بھی سامان ہوگا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء اس وقت جس مرحلہ میں ہے اس کو ان باہمت و حوصلہ مند اور صاحب شعور اصحاب سے پوری توقع ہے کہ وہ ہمارے سفراء کے ذریعے جو مختلف علاقوں کا دورہ کر رہے ہیں یا براہ راست ترسیل زر کے ذریعہ اس کی ان ضروریات و مطالبات کی تکمیل میں کشادہ دلی کے ساتھ حصہ لیں گے اور یہ یقین رکھیں گے کہ وہ بہت صحیح مصرف پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور ایک بڑی اور اہم ضرورت پوری کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

بقیہ اداریہ

ہونے والے انعام کا اپنے آپ کو کس حد تک مستحق بنایا ہے۔

عید دراصل رمضان المبارک کی ذمہ داریوں کو پوری فکر اور اہتمام کے ساتھ ادا کرنے ہی کا نام ہے، عید کا دن محض اس بات کا ایک مظہر ہے کہ روزہ داروں نے ایک اہم ذمہ داری کو ادا کر کے آج اپنے رب کو راضی کرنے کا سامان فراہم کر لیا وہ اسی جذبہ کے ماتحت علی الصباح اٹھتے ہیں، اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا بجا لاتے ہیں اور وہ غسل کرتے ہیں، عمدہ کپڑے جو میسر آجائیں پہنتے ہیں، خوشبو لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو ایک حد تک مزین کر کے (اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) کا ورد پڑھتے ہوئے عیدگاہ کی پرسکون فضا کی طرف شوق و مسرت کی ساتھ جاتے ہیں، اور اپنے رب کے حضور میں دوگانہ شکر ادا کرتے ہیں، اور زبان حال و قال سے کہتے ہیں کہ اے رب تو نے ایک اتنی بڑی ذمہ داری اور ایک اتنا نازک فریضہ ہم پر عائد کیا تھا، تیرا شکر ہے کہ آج ہم اس سے عہدہ برآ ہو کر تیرے حضور میں پیش ہیں۔ خدایا تو ہمارے اس کام کو قبول فرما کر ہم کو اپنے انعام و اکرام سے نواز اور ہم کو بھی اپنے مخلص بندوں میں داخل کر کے ہمارے گناہوں کو بخش دے تاکہ ہم بھی اپنے اپنے گھروں کو اس طرح واپس جائیں کہ ہمارے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں اور تیری رضا کا استحقاق ہم کو حاصل ہو چکا ہو۔

رمضان کا پورا مہینہ عید ہے، اور عید تو چند گھنٹوں کا ایک ظاہری جشن و مسرت ہے۔ اسی پر رمضان کی برکتیں اور اس میں نازل ہونے والی اللہ کی رحمتوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس لئے عید کی خوشیوں اور اس کی مسرتوں کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم رمضان کی برکتوں، رمضان کی پرکیف ساعتوں، اور اس کی بہاروں سے پوری طرح مستفید ہوں اور عید کے دن ہونے والے اعلان میں ہمارا نام بھی ان مخصوص اللہ کے بندوں کی فہرست میں شامل ہو جن پر انعام کی بارش ہوتی ہے اور جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں جن کو رضا و مغفرت کی خوش خبری سنائی جاتی ہے اور جو اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے اصول کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور

اوله رحمة، واوسطه مغفرة وآخره عتق من النار کی بشارت عظمیٰ سے جو نوازے جاتے ہیں۔

عید بلاشبہ انھیں خوش نصیبوں کی ہے جو رمضان میں محنت کرتے ہیں اور جب ساری دنیا نیند کے عالم میں غرق ہوتی ہے تو وہ شب بیداری میں مصروف ہوتے ہیں۔ جب لوگ سوتے ہیں تو وہ جاگتے ہیں اور جب ہر طرف نفس کے تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے تو وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں اور صبر و تقویٰ کا بہترین مظاہرہ کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں عید کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ

"جو مزدور اپنا کام پورا کر دے اس کو کیا معاوضہ ملنا چاہیئے۔"

اور فرشتے ایک زبان ہو کر جواب دیتے ہیں:

"اس کا معاوضہ یہ ہے کہ اس کو پوری اجرت دیدی جائے۔"

اور اللہ تعالیٰ ان کو پوری اجرت دیتا ہے۔ لیکن اللہ کی اجرت کیا اور کیونکر ہوگی، اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

اسپیشل

میزان زردہ میزان قوام

کل ہند رجسٹرڈ

آل انڈیا صنعتی نمائش کا انعام یافتہ

لاکھوں اشخاص کا پسندیدہ

ہمیشہ استعمال کیجئے

سیل ڈپو میزان زردہ

مظفر جاہی مارکیٹ حیدرآباد۔ اے پی

بقیہ غزوات و سرایا

کا نتیجہ ہے ، بعض سیرت نگاروں نے تسلسل واقعات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا کو بلا تحقیق اسباب و وجوہ پیش کر دیا اور انھوں نے حضورؐ کی مدینہ کی دس سالہ زندگی میں ۷۴ غزوات و سرایا کی ایک طویل فہرست اس طرح پیش کر دی کہ نہ ان واقعات کے پس منظر کا ذکر کیا اور نہ اس کے وجوہ اور اسباب کا تذکرہ کیا اور نہ اس وقت کے ماحول اور صورت حال کی عکاسی کی گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دس سالوں میں سوائے جنگ کے اور کوئی پروگرام اور مشغلہ ہی نہیں تھا ، مزید ستم یہ کہ دور حاضر کے بعض سیرت نگاروں نے تو صاف لفظوں میں اس بات کا اعتراف بھی کر لیا کہ ہمیں اس قسم کے اعتراضوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ اسلام کی نشر و اشاعت میں سب سے بڑا دخل تلوار کو ہے ، اس وقت میرے سامنے سیرت کی ضخیم اور مشہور کتاب "اصح السیر" ہے جو طبقۂ علماء میں بالخصوص اور مدارس عربیہ میں بالعموم مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے اور علامہ شبلی کی "سیرۃ النبی" کے مقابلہ میں پیش کی جاتی ہے اور بزعم خویش جو خامیاں سیرۃ النبی میں ہیں ان کی نشاندہی کر کے صحیح روایات کی روشنی میں یہ سیرت پیش کی گئی ہے کتاب الغا زیہی کی ترتیب پر مصنف کو فخر ہے جیسا کہ مقدمہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ پڑھنے کے بعد سب سے پہلے ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے انہام و تفہیم اور وعظ و پند کی ناکامی کے بعد تلوار سے کام لیا ہے اور دنیا کو جبر اسلام کے ماننے پر مجبور کیا ہے۔ یہی نقطۂ نگاہ پوری کتاب اور بالخصوص غزوات و سرایا کے ذکر کے موقعے پر چھایا ہوا ہے "اصح السیر" کے الفاظ یہ ہیں۔

" رسول اللہ نے توحید کا اعلان کیا اور ۱۳ سال لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعے سمجھاتے رہے ، نیکی کیا ہے ؟ برائی کیا ہے ؟ ہر شخص رُشد و غی کو سمجھ گیا ، حق و باطل واضح ہو گیا ، حجت و دلیل کی منزلیں تمام ہو گئیں۔ لیکن باطل پرستی فنا نہ ہوئی تب آپ نے حق کی حمایت میں تلوار اٹھائی باطل کے ابطال پر عملی اقدام شروع کیا ، نتیجہ یہ ہوا کہ دس برس کے اندر وہ ملک جو شیطانوں کی آبادی تھی فرشتوں کی بستی بن گئی ۔"

(اصح السیر ص ۲۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں ،

" جب حق واضح ہو گیا اور باطل ظاہر ہو گیا تو چونکہ تبلیغ اور حمایت احکام الٰہی بجمیع لوازمہ مامور بہ ہے اس لئے سارے کافروں سے کافۃً وہ ابتدا کریں یا نہ کریں مقاتلہ بھی مامور بہ ہوا ، حق و باطل کے ظاہر ہو جانے کے بعد حق کے لئے مجبور کرنا اور باطل کو جبراً ترک کرانا اکراہ فی الدین نہ رہا ۔"

(اصح السیر ص ۱۱۴)

اپنے اسی نقطۂ نگاہ کو پیش نظر رکھ کر آپ نے اپنی کتاب میں غزوات و سرایا کی تفصیل دی ہے جس کی وجہ سے ان واقعات کی فضا کچھ ایسی بن جاتی ہے کہ روح گھٹنے لگتی ہے ، میرے خیال میں مصنف کا یہ نقطۂ نگاہ صحیح نہیں ہے غزوات و سرایا کی حیثیت اور جہاد کے متعلق آیات قرآنی کے مفہوم کو اپنے مصداق و عمل پر ثابت کرنے میں وہ ناکام رہے اور نہ انھوں نے مغربی مصنفین کے اعتراضات و الزامات کی سمیت و زہرناکی کو صحیح طور پر محسوس کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ ڈاکٹر سباعی رح

اور چند گھنٹوں میں پورے شام و لبنان اور اردن و فلسطین و عراق میں خبر وفات پھیل گئی۔ کئی ریڈیو اسٹیشنوں نے اعلان کیا۔

شام میں کرفیو آرڈر نافذ تھا۔ لیکن لوگوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی ، شامی ریڈیو اور حکومت نے وفات کی خبر کو چھپائے رکھا اور جب دیکھا کہ سارے قریبی ملکوں میں اعلان ہو رہا ہے تو شرمندہ ہو کر اعلان کیا اس وقت شام پر درزیوں کی حکومت ہے ، یہ ایک شیعہ باطنی فرقہ ہے جس کی بنیاد محمد بن اسماعیل درزی نے ڈالی تھی۔ اس نے ۴۰۸ھ میں جامع عمرو بن العاص (مصر) میں یہ دعویٰ کیا کہ خداوندی روح (نعوذ باللہ) فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ کے جسم میں سرایت کر گئی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حمزہ بن علی اس کا اصل بانی ہے۔ بہرحال یہ عقیدہ وہاں نہیں پھیل سکا تو وہ شام منتقل ہو گیا اور اس نے اس کی جنوبی پہاڑیوں میں اس عقیدہ کی دعوت دی ، اس وقت ان کی تعداد چند لاکھ کی ہے۔ ان میں سے کچھ فلسطین کے اس حصہ میں مقیم ہیں جسے " اسرائیل " کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی میں مشہور ہیں اور ان کی تاریخ خون آشامیوں سے لبریز ہے۔

اس حکومت نے بے انتہا کوشش کی کہ سباعی صاحب کے جنازہ میں لوگ نہ شریک ہوں اور لبنان سے آنے والوں میں بہت سوں کو روک دیا جن میں سباعی صاحب کے دست راست استاذ عصام عطار بھی تھے ان کو کسی طرح نہیں آنے دیا۔ پولیس نے بہت سے نوجوانوں کو گرفتار بھی کیا اور مارا پیٹا بھی۔ لیکن جنازے میں لاکھوں آدمی شریک ہوئے اور گھر سے قبرستان تک ہتھیلیوں اور بازوؤں پر جنازہ لے گئے اس وقت ان کی زبانوں پر مندرجہ ذیل کلمات تھے۔

الی جنۃ اللہ ، یا سباعی	خدا کی جنت کیطرف اے سباعی
الی رحمۃ اللہ ، یا سباعی	اللہ کی رحمت کیطرف اے سباعی
نحن علی العہد ، یا سباعی	ہم اپنے عہد و پیمان پر قائم ہیں اے سباعی

اللہم انا نشہد ان السباعی ادی الامانۃ وبلغ الرسالۃ وانا عنہ راضون ... اللہم فارض عنہ۔

(اے اللہ بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ سباعی نے امانت پوری کی ، اور پیغام پہنچا دیا اور ہم ان سے راضی ہیں ، اے اللہ تو بھی ان سے راضی ہو)

انھیں فلک شگاف نعروں کے ساتھ لاکھوں کا مجمع جنازہ لے کر جامع بنی امیہ پہونچا۔ وہاں نماز جنازہ ہوئی اور دمشق کے قدیم قبرستان جس میں بہت سے صحابہ کرام کی قبریں ہیں ، تدفین ہوئی۔

" عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے اٹھے "

اللہ تبارک و تعالیٰ اس مرد مجاہد ، اور پرجوش و مخلص داعی اسلام اور اسلام کے سچے و جاں نثار خادم کی مغفرت فرمائے اور اُسے ابرار و صالحین و صدیقین و شہدا کے زمرے میں داخل فرمائے (آمین)

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ختم شد)

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا

نتیجہ امتحان سالانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء بابتہ ۶۵-۱۹۶۴ء سنہ ۱۳۸۴ھ

اس سے قبل ۱۰ جنوری کے شمارہ میں نتائج امتحانات سالانہ درجات ثانویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ شائع کئے جا چکے ہیں۔ موجودہ شمارہ میں درجہ سوم عربی لغایت درجہ ششم عربی کے نتائج شائع کئے جا رہے ہیں۔ بقیہ درجات کا نتیجہ امتحان آئندہ شمارہ میں شائع کیا جائے گا ۔ —— افتخار حسین قدوائی منتظم دارالعلوم

نمبر	اسماء	نتیجہ	درجہ کامیابی	نمبر	اسماء	نتیجہ	درجہ کامیابی	نمبر	اسماء	نتیجہ	درجہ کامیابی
	درجہ سوم عربی			۳۴	محمد اویس	فیل	×	۲۷	انعام الدین	پاس	سوم ۲۹ع
				۳۵	سعید احمد	"	×	۲۸	محمد طاہر سیوانی	حترق	.
۱	محمد فاروق بمبئی	پاس	اول ۱ع	۳۶	محمد امین	"	×	۲۹	محمد یسین ملتان	ضمنی	دروس التاریخ
۲	رضوان احمد	"	" ۲ع	۳۷	محمد ابراہیم	"	×	۳۰	محمد طاہر نیپالی	"	ہدایۃ النحو، تاریخ
۳	ابوالظفر	"	" ۳ع	۳۸	محمد کلیم اللہ	"	×	۳۱	عبید الرحمٰن	"	ہدایۃ النحو، انشاء
۴	فضل اللہ	"	" ۴ع	۳۹	عظمت اللہ	"	×	۳۲	محمد ابراہیم	"	" - تاریخ
۵	سلیم الدین	"	" ۵ع	۴۰	معشوق علی	"	×	۳۳	شمس الہدیٰ	"	ہدایۃ النحو
۶	فرید احمد	"	" ۶ع	۴۱	سید وسیم اختر	"	×	۳۴	سید محمد حسین	"	انشاء
۷	محمد فخر الدین میسوری	"	" ۷ع		درجہ چہارم عربی			۳۵	امتیاز احمد	"	ہدایۃ النحو
۸	شفیق احمد	"	" ۸ع	۱	عبدالوحید	پاس	اول ۱ع	۳۶	محمد حبیب الرحمٰن	"	تاریخ
۹	شاہ قمر عالم	"	" ۹ع	۲	ریاض الدین	"	" ۲ع	۳۷	نصر الاسلام	"	ہدایۃ النحو
۱۰	عبدالقادر مالدیپی	"	" ۱۰ع	۳	محمد اظہر	"	" ۳ع	۳۸	عبدالحی بمبئی	"	دروس التاریخ
۱۱	محمد عثمان	"	دوم ۱۱ع	۴	محمد صالح	"	" ۴ع	۳۹	سلیم احمد	"	"
۱۲	عبدالحفیظ	"	" ۱۲ع	۵	محمد ہارون بمبئی	"	" ۵ع	۴۰	فضل الرحمٰن	"	ہدایۃ النحو، القراءۃ الراشدۃ
۱۳	ابوالکلام	"	" ۱۳ع	۶	محمد خالد مسعود	"	" ۶ع	۴۱	محمد جمال الدین	"	ہدایۃ النحو
۱۴	وحید احمد	"	" ۱۴ع	۷	محبوب رب	"	" ۷ع	۴۲	سید حمید الظفر	"	" - انشاء
۱۵	حبیب عالم	"	" ۱۵ع	۸	محمد زین الدین	"	" ۸ع	۴۳	محمد عبید اللہ اندوری	"	ہدایۃ النحو، [illegible]
۱۶	مرغوب احمد	"	" ۱۶ع	۹	محمد عمر	"	" ۹ع	۴۴	احمد صادق	درجہ کی انشاء کے نمبر نہ پہنچنے کی وجہ سے نتیجہ روک دیا گیا۔	
۱۷	شرف الدین	"	" ۱۷ع	۱۰	محمد غیاث	"	" ۱۰ع	۴۵	سید مطلوب حسن	فیل	×
۱۸	محمد شرف الدین	"	" ۱۸ع	۱۱	طفیل احمد	"	دوم ۱۱ع	۴۶	سید محمد امین	"	×
۱۹	محفوظ الرحمٰن	"	" ۱۹ع	۱۲	محمد یعقوب	"	" ۱۲ع	۴۷	افتخار جمیل	"	×
۲۰	محمد عیسیٰ	"	" ۲۰ع	۱۳	عبدالصمد	"	" ۱۳ع	۴۸	محمد اظہر اعظمی	"	×
۲۱	حفیظ اللہ	"	سوم ۲۱ع	۱۴	محمد صالح سورتی	"	" ۱۴ع	۴۹	افتخار علی	"	×
۲۲	سید ظفر الحسن	"	" ۲۲ع	۱۵	ضیاء الحق لاری	"	" ۱۵ع	۵۰	محمد وحید	"	×
۲۳	محمد جمال الدین	"	" ۲۳ع	۱۶	عبداللہ گجراتی	"	" ۱۶ع	۵۱	محمد مصطفیٰ اعظمی	"	×
۲۴	محمد انسر	"	" ۲۴ع	۱۷	محمد سلیمان	"	" ۱۷ع		درجہ پنجم عربی		
۲۵	ضیاء الدین احمد	ضمنی	التاریخ	۱۸	اقبال حسن صدیقی	"	" ۱۸ع	۱	عبدالجبار	پاس	اول ۱ع
۲۶	سید محمد عزیر	"	انگریزی	۱۹	محمد یوسف ہاشم	"	" ۱۹ع	۲	رحیم بخش کانپوری	"	" ۲ع
۲۷	محمد ظہیر	"	"	۲۰	ایوب بن ابراہیم	"	" ۲۰ع	۳	عبدالسلام	"	" ۳ع
۲۸	شمشاد علی	"	کتاب النحو	۲۱	عبداللہ بمبئی	"	" ۲۱ع	۴	ابوبکر سورتی	"	" ۴ع
۲۹	نجم الدین عبدالباری	"	"	۲۲	سید محمد طارق جمیل	سوم	" ۲۲ع	۵	محمد اقبال بھوپالی	"	دوم ۵ع
۳۰	سلیم احمد	"	"	۲۳	عبدالستار شولاپوری	"	" ۲۳ع	۶	محمود احمد	"	" ۶ع
۳۱	سید عبدالعزیز	"	کتاب النحو، انگریزی	۲۴	عبدالسمیع	"	" ۲۴ع	۷	سید محمد حمزہ	"	" ۷ع
۳۲	نعیم محمود خطیب	"	انشاء	۲۵	محمد یسین پورنہ	"	" ۲۵ع	۸	عبدالعزیز	"	" ۸ع
۳۳	محمد شفیق	فیل	×	۲۶	اشرف خاں	"	" ۲۶ع	۹	وصی احمد	"	" ۹ع

نمبر	اسمار	نتیجہ	درجہ کامیابی
	درجہ پنجم عربی		
۱۰	محفوظ الرحمن	پاس	دوم ۱۰
۱۱	سلیمان گجراتی	"	" ۱۱
۱۲	یحییٰ محمد صلو	"	" ۱۲
۱۳	محمد سلیمان پوربنہ	"	" ۱۳
۱۴	محمد حسان	"	" ۱۴
۱۵	محمد وسیم	"	" ۱۵
۱۶	مرغوب احمد	"	" ۱۶
۱۷	محمد صادق	"	" ۱۷
۱۸	محمد علی نیپالی	"	" ۱۸
۱۹	احمد اشرف سورتی	"	" ۱۹
۲۰	محمد یسین	"	" ۲۰
۲۱	اقبال احمد بلیاوی	"	" ۲۱
۲۲	نور الہدیٰ	"	" ۲۲
۲۳	ریاض احمد	"	سوم ۲۳
۲۴	اظہار حسین	"	" ۲۴
۲۵	محمد انور	"	" ۲۵
۲۶	سلمان الدین	"	" ۲۶
۲۷	رئیس الرحمن	"	" ۲۷
۲۸	علی مظہر نشتر	ترقی	.
۲۹	سید شکیل احمد	"	.
۳۰	محمد نعمان احمد	ضمنی	قدوری
۳۱	فیاض علی	"	قرآن مجید
۳۲	کلیم اللہ بیگ	"	تاریخ
۳۳	محمد مشکور خاں	"	شرح تہذیب، قدوری
۳۴	محمد ہارون دیوریا	"	قرآن مجید
۳۵	مظہر الاسلام	"	شرح تہذیب، قدوری
۳۶	خلیل الرحمن	"	تاریخ
۳۷	محمد عبید لاری	"	"
۳۸	محمد یوسف	"	شرح تہذیب، انشاء
۳۹	محمد رضا جرولی	"	قدوری، تاریخ
۴۰	شاہد محمد رضوان	"	قرآن مجید، انشاء
۴۱	شکیل احمد	"	شرح تہذیب [illegible]
۴۲	محمد صفوان خاں	فیل	
۴۳	واحد علی رامپوری	"	
۴۴	محمد اقبال خاں گونڈوی	"	
	درجہ ششم عربی		
۱	منظور الٰہی	پاس	اول ۱
۲	قمر الدین فیض آبادی	"	" ۲
۳	محمد مصطفیٰ بستی	"	" ۳

نمبر	اسمار	نتیجہ	درجہ کامیابی
۴	محمد معین	پاس	دوم ۴
۵	محمد اجمل	"	" ۵
۶	عبد القادر	"	" ۶
۷	اکبر علی	"	" ۷
۸	امام الدین	"	" ۸
۹	کلیم الدین احمد	"	" ۹
۱۰	رئیس احمد	"	" ۱۰
۱۱	بدر الاسلام	"	" ۱۱
۱۲	محمد اظہر	"	" ۱۲
۱۳	نور محمد انصاری	"	" ۱۳
۱۴	حسن معاویہ	"	" ۱۴
۱۵	محمد جمیل اختر	"	" ۱۵
۱۶	عبد الحکیم	"	سوم ۱۶
۱۷	فضل الرحمن	"	" ۱۷
۱۸	محمد محی الدین نیپالی	"	" ۱۸
۱۹	محمد مصطفیٰ سیامی	"	" ۱۹
۲۰	عبد القدوس	"	" ۲۰
۲۱	میر عبد الرزاق	"	" ۲۱
۲۲	عبد المنان بہرائچی	ترقی	.
۲۳	سراج احمد خاں	ضمنی	شرح تہذیب [illegible]
۲۴	سید ظہور الاسلام	"	مختارات، انگریزی
۲۵	نوشاد علی	"	مشکوٰۃ، مختارات
۲۶	محمد شمس الدین	"	شرح نقایہ
۲۷	عبد الرؤف	"	شرح تہذیب
۲۸	ابو القمر	"	مختارات
۲۹	محمد مرتضیٰ حسین	"	"
۳۰	نظام الدین	"	تاریخ
۳۱	محمد داؤد	"	مختارات، تاریخ
۳۲	ولی اعظم	انشاء درجہ کے نمبر وصول نہ ہونے پر نتیجہ روک دیا گیا۔	
۳۳	صدیق احمد	"	شرح نقایہ، مختارات
۳۴	یونس آدم ڈیسائی	"	انشاء
۳۵	محمد اقبال بھٹکلی	"	مختارات، تاریخ
۳۶	محمد رئیس الرحمن	"	تاریخ
۳۷	مشیر احمد	"	شرح تہذیب، انگریزی
۳۸	محمد احمد	"	مختارات
۳۹	محمد شفیع	"	مختارات، تاریخ
۴۰	محمد عمر ٹونکی	"	مشکوٰۃ [illegible] انشاء
۴۱	عبد الستار	"	شرح تہذیب، منطق
۴۲	محمد یوسف فرگت	"	مختارات، انگریزی
۴۳	رفیق احمد خاں	"	شرح نقایہ، مختارات

نمبر	اسمار	نتیجہ	درجہ
۴۴	ظفر الاسلام	منشورات اور شرح [illegible] مجوزات کا امتحان [illegible] وجہ سے نتیجہ روک [illegible]	
۴۵	علی رضا بستوی	ضمنی	مختارات [illegible]
۴۶	عبد المجید بھٹکلی	"	"
۴۷	شہاب الدین	"	انگریزی [illegible]
۴۸	ارشاد علی خاں	"	شرح [illegible]
۴۹	اسیر الدین	"	شرح [illegible]
۵۰	عبد المنان گونڈوی	"	تاریخ [illegible]
۵۱	شہید احمد	فیل	
۵۲	محمد شرف الدین	"	
۵۳	محمد یسین	"	
۵۴	محی الدین بہاری	"	
۵۵	محمد علی بھٹکلی	"	
۵۶	محمد اکرم علی	"	
۵۷	ممتاز احمد	"	
	درجہ تخصص ادب اول		
۱	اشفاق عالم	پاس	اول
۲	حبیب اللہ خاں	"	"
۳	سید سمیع اللہ	"	دوم
۴	سید بشیر الدین	"	"
	معاون تخصص		
۱	یعقوب	پاس	دوم
۲	محمد ابراہیم	"	"
۳	محمد اکرم	"	"
۴	حسن منکوی		درجہ کی [illegible] داخل ہونے کی وجہ [illegible]
	خصوصی اول		
۱	محمد سعید اکھلوایا	پاس	اول
۲	محمد صالح اکھلوایا	"	دوم
۳	محمد طاہر	"	سوم
۴	محمد قاسم ادریس	فیل	
	درجہ خاص		
۱	عبد الکریم محمود پرکار	پاس	اول
۲	محمد یوسف چٹیل	"	"
۳	ابراہیم محمد چٹیل	"	"